www.neweramagazine.com
NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
حیام
از سیدہ انعم بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیام

از سیدہ انعم بخاری

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

وہ تینوں اس وقت حویلی کی اوپری سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں۔ساتھ ساتھ پاس رکھی مونگ پھلی کے دانے چُنتی کھا رہی تھیں۔

"یہ بھائی کب تک آئیں گے؟"

سوال مناہل نے کیا تھا۔

"آنے والے ہوں گے۔"جواب منال کی طرف سے آیا۔

"اماں کتنی خوش ہیں نا؟ وہ حویلی جو عشاء ہوتے ہی اندھیرے میں ڈوب جاتی ہے، آج رات گئے روشنی میں جگمگا رہی ہے۔"

کرن نے مونگ پھلی کا دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں !! خوش تو بہت ہیں۔ قسم سے آپی مجھے بہت شوق تھا آرز بھائی سے ملنے کا، آج ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

مناہل کے چہرے پر ایک دم سے خوشی کے تاثرات ظاہر ہوئے۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ وہ آرہے ہیں؟ اور تھم کر رہو بی بی! اس حویلی کی عورتیں مردوں کے سامنے نہیں جایا کرتیں، چاہے سے کوئی بھی رشتہ نکلتا ہو۔"

منال نے ایک لمحے میں ہی اُس کی خوشی غارت کر دی۔

"جی آپی۔۔۔!"

جواباً وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

ابھی اُن تینوں میں سے کوئی کچھ کہتا، اس سے پہلے ہی گاڑی کا ہارن حویلی کے بیرونی دروازے پر سے سنائی دیا۔ صاف اشارہ تھا کہ گاڑی حویلی کی سرحد پار کر چکی تھی۔ وہ تینوں بھاگتی ہوئیں سیڑھیاں اُترنے لگیں۔ آخر کو اُنہیں کہاں معلوم تھا کہ کوئی وہاں بسنے کے لیے آیا ہے جس نے وہاں کی در و دیوار ہلا کر رکھ دینی تھی۔

جوں ہی گاڑی نے حویلی کا بیرونی دروازہ پار کر کے اندر کا رخ کیا وہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ حیام نے بند کھڑکی کے شیشے میں سے حویلی کو گہری نظروں سے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں مرعوبیت سمائی لیکن گاڑی حویلی کے دروازے سے دور جا رہی تھی۔ چند سیکنڈز بعد ہی سواری حویلی کے پچھلے دروازے پر جا کر رُکی۔ حیام کو یہ سب عجیب لگا لیکن اُسے بھلا کیا، جو مرضی کریں یہ حویلی اور اُس میں بسنے والے لوگ۔ وہ گاڑی سے اُتر کر کھڑی ہوئی، گھوم کر ارد گرد کا منظر دیکھا۔

(کیا ایسی ہوتی ہیں حویلیاں؟)

لمحہ بھر کو یہ سوچ اُس کے ذہن پر سوار ہوئی لیکن جلد ہی اُس کی تمام سوچیں اپنا سامان

باندھ کر چل نکلیں۔

"چلیں بیٹا۔۔۔۔"

مصطفٰی صاحب نے اُس کے کاندھوں پر بانہیں پھیلائے ہوئے کہا۔

سیاہ لباس اوڑھے، ہم رنگ ڈوپٹہ پھیلائے جو ہمیشہ کی طرح نام کا ہی سر ڈھک رہا تھا، کالے گھنے بال کھلے ہوئے تھے۔ بالوں کی کچھ لٹیں چہرے کا طواف کر رہیں تھیں۔ وہ اس حلیے میں کہیں سے بھی حویلی میں بسنے والی سید زادیوں کے موافق تو نہ تھی۔ ہاں یقیناً وہ شہر کی سید زادی معلوم ہوتی تھی۔ کیا سچ میں یہ گاؤں، شہر اور بستیاں ہماری تہذیبوں کو اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہیں؟ یا یہ سب فتور ہمارے اندر موجود ہوتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جی۔۔۔"

شاہ میر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا جو کہ سیدھا برآمدے میں کھلتا تھا۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی اماں بیگم وہاں انتظار میں کھڑی ہوئیں تھیں۔ اُن کی نظریں تو بس اپنے بھانجے کو پہچانتی تھیں۔ مصطفٰی صاحب اُنہیں دیکھ مسکرائے اور سیدھا چلتے ہوئے اماں کے ساتھ لپٹ گئے۔ اماں بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"سلام، خالہ اماں!"

اتنے عرصے بعد تو اُنہیں اپنی ماں کی پرچھائی دِکھی تھی۔ کیوں اتنی دیر کر دی تھی

اُنہوں نے اپنی ماں کو تکنے میں ؟ وہ ہو بہو اُن کی ماں جیسی ہی تھیں۔

"وعلیکم السلام ! چپ کر جا۔ مجھے اپنی ماں جائی کی خوشبو تو آپ میں وسا لینے دے۔"

آواز رُندھی ہوئی تھی۔اس سب میل جول میں بازل اور حیام خاموش کھڑے تھے جبکہ شاہ میر مسکرا رہا تھا۔

"سلام اماں ! ! اب مجھ سے بھی مل لیں، یا واپس چلا جاؤں میں ؟"

شاہ میر نے اماں کی توجہ خود پر دلائی۔

"وعلیکم السلام !تُو تو میرا لال سب سے پیارا ہے۔ دیکھ، تیری راہ تکتی پہلے سے بھی بوڑھی ہو گئی آں۔ آ میرے پاس۔۔۔"

وہ مصطفٰی صاحب سے الگ ہو تیں شاہ میر کے ساتھ لپٹ گئیں۔ گنتی کے کچھ رشتے ہی تو تھے جو اُن کو خود سے بھی پیارے تھے۔

"خالہ اماں ! ! میری بیٹی سے ملیں۔"

مصطفٰی صاحب کے کہنے پر اماں بیگم نے شاہ میر سے الگ ہوتے سر سے پاؤں تک حیام کو دیکھا۔ایک لمحے اُن کی آنکھوں میں ناگواریت اُبھری تھی جو کہ بہت جلد چھپا لی گئی۔ شاید کہ اُس کا گمان وہاں موجود کسی فرد کو نہ ہوا تھا لیکن شاہ میر۔۔۔۔ہاں شاہ

میر، وہ تو اُن کو اُن سے بھی بہتر جانتا تھا۔ وہ محسوس کر گیا تھا۔

"اسلام و علیکم !"

حیام نے آگے بڑھ کر خالہ اماں کے سامنے اپنا سر جھکایا، جو بس گہری نظروں سے اُسے تکنے میں مصروف تھیں۔

"اماں ! وہ آپ کی دعاؤں کی منتظر ہے۔"

شاہ میر نے اُن کی کہنی جُھلائی تو وہ ہوش میں آئیں اور مجبوراً حیام کے سر پر ہاتھ رکھتیں دعائیں دینے لگیں۔

"جیتی رہو۔"

اُن کا سرد لہجہ اب کی بار حیام نے بھی محسوس کیا۔ اتنی تو لہجوں کی پہچان اُسے اب تک ہو چکی تھی۔

"سلام خالہ اماں !"

بازل نے مسکرا کر اپنا سر اُن کے آگے جھکایا تو اُن کے لبوں پر پہلی سی مسکراہٹ لوٹ آئی جو نا محسوس انداز میں حیام کو دیکھ کہیں کھو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام !"

مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ارے مصطفیٰ! دیکھ نا۔۔۔یہ تو بالکل میرے حسن کا پر تو ہے۔"

ایک مرتبہ پھر آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔ بازل کے چہرے کو تھامتیں وہ اُس کے نقوش ذہن نشین کر رہی تھیں۔ جواباً وہ صرف مسکرایا۔

" چلیں بس کر دیں خالہ اماں! میرا آپ سے زیادہ گہرا تعلق ہے۔ یہ دو دونوں کے لیے آپ سب کو بھول جائیں۔"

دونوں مسکرانے لگے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Poetry|Interviews

"ہاں! یہ وقار بھائی اور عمران بھائی کدھر ہیں؟"

"وے!!! تو حویلی سے گیا تھا ساتھ ہی یہاں کے اصولوں سے بھی گیا اے۔ وہ مردان خانے میں تیرا انتظار کر رہے ہیں، یہاں رات گئے تک نہ آئیں گے۔ حویلی کی عورتوں کا گزر رہتا ہے یہاں دن دہاڑے سے لے کر رات کے اس پہر تک۔"

اماں بیگم اُنہیں آگاہ کرتیں طعنہ دینا نہ بھولیں۔

" چلیں میں مل لیتا ہوں۔"

"رُک جا، سب سے مل کر جا۔"

اماں بیگم اُنہیں ساتھ لیے اپنے مخصوص جھولے پر آ بیٹھیں۔ نجانے آج کیا نیا تھا جو حویلی کی عورتوں کا پردہ اُنہیں بھول گیا تھا۔ اتنے میں سر منہ ڈھانپتیں خالدہ بیگم، نفیسہ بیگم کے ہمراہ برآمدے میں آئیں۔ اُنہیں دیکھ سب ایک مرتبہ پھر کھڑے ہوئے، سوائے اماں بیگم کے۔

سلام دعا، حال احوال پوچھنے کے بعد خالدہ بیگم نے حیام کے سر پر ہاتھ رکھا، جو عجیب انداز میں اُن کے سراپوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یقیناً یہ حیام ہو گی۔"

"جی بھابھی! میری بیٹی ہے یہ۔"

مصطفیٰ صاحب مسکرا رہے تھے۔

"اس سے بھی ملیں۔ حسن بھائی کا چھوٹا بیٹا ہے، بازل۔۔۔۔"

بازل نے نتیجتاً دونوں خواتین کے آگے سر جھکایا۔ نفیسہ بیگم اُسے دعائیں دیتی بولیں۔

"یقیناً بازل ہی ہے۔ آرز میاں کو کون نہیں جانتا اور وہ تو یہاں آنے سے رہے۔۔۔"

اور بس اُسی لمحے حیام کو معلوم ہو گیا تھا کہ اُس کا اس حویلی میں آنے کا فیصلہ غلط تھا۔ ایک مرتبہ پھر اُس کے بابا نے غلط فیصلہ کر ڈالا تھا۔ وہ جس شخص سے بھاگتی یہاں تک

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آئی تھی، وہ تو اس حویلی میں رہنے والے ہر فرد کے دل و دماغ میں نقش تھا، ہمیشہ سے ہی۔۔۔۔

"بھابھی! بچیوں کو تو بلائیں۔"

مصطفیٰ صاحب نے استفسار کیا۔

"جاشاہ میر!! بازل کو لے جا مردان خانے، یہ آتا ہے مل کر سب سے۔"

یک دم عجیب بے سکونی پھیلی تھی ماحول میں۔ بازل الگ شش و پنج میں مبتلا ہوا۔

"نہیں اماں، بلادیں لڑکیوں کو۔ بازل بھی مجھ جیسا ہی ہے، گھر کا فرد ہے۔"

اماں بیگم نے اُسے گھوریوں سے نوازا لیکن انکار نہ کیا۔ اُس کی کہی کب ٹالا کرتی تھیں وہ، البتہ بازل اس سب معاملے میں بے چین سا ہو گیا تھا۔ اپنی آمد کا سُن سب لڑکیاں ڈھکے پردوں کی اوٹ سے نکل کر منظر پر آئیں۔ سب نے خود کو لمبی پاؤں تک آتی چادروں میں چھپایا ہوا تھا۔ مشکل سے اُن کا چہرہ دکھائی دیتا یا شاید وہ بھی نہیں۔ اُنہیں دیکھ بازل نے اپنا سر مزید جھکایا۔

(لو اس سے بھی زیادہ کیا پردہ کرنا تھا، حد ہے خالہ اماں کی بھی) وہ محض یہ سوچ ہی سکا تھا۔

"ماشاءاللہ! وقت کتنی جلدی گزر گیا ہے ناخالہ اماں! سب بچے جوان ہو گئے اور ہم بوڑھے۔"

خالہ اماں کو دیکھتے مصطفیٰ صاحب نے اداسی کا اظہار کیا۔

"ہاں، وقت تو گزر گیا ہے میاں! تم ہی وقت سے بھی آہستہ چلے ہو بس۔"

"چلیں چچا جان! آئیں آپ کو مردان خانے لے چلوں۔"

شاہ میر منظر سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔

"ہاں، چلو۔"

جوں ہی مصطفیٰ صاحب اور بازل کھڑے ہوئے حیام نے فوراً سے پیشتر اپنے باپ کی بازو سختی سے جکڑی۔ آنکھوں میں اکیلے رہ جانے کا خوف لہرایا۔

"بابا۔۔۔"

وہ بس اتنا ہی بول سکی تھی۔

"ارے، بیٹھ جاؤ بی بی! آجائے گا تمہارا باپ واپس۔"

اماں بیگم نے اُسے دیکھ شاید پھر سے کوئی طنز کیا تھا یا شاید صرف اُسے ہی ایسا لگا تھا۔

"گڑیا میں آ رہا ہوں۔"

حیام کا ماتھا چومتے وہ چلے گئے۔ حیام نے چہرہ اُٹھا کر سب کو دیکھا۔ سب مردوں کے جاتے ہی عورتوں نے اپنے چہرے اوڑھی چادروں سے باہر نکالے۔

"جاؤ مناہل!! پانی لے کر آؤ اپنی باجی کے لیے اور کسی سے کہنا مردان خانے تک بھی پانی لے جائے۔"

خالدہ بیگم کہتی ہوئیں حیام کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"جی امی!"

"گھر میں سب کیسے ہیں بیٹا؟"

"جی ٹھیک۔۔۔۔"

اُس نے انجان نظروں سے اُنہیں دیکھا۔

"میں خالدہ ہوں، شاہ میر کی امی اور تمہاری تائی۔"

شاید وہ اُس کے ان کہے سوالوں کو سمجھ گئی تھیں۔

"اور یہ نفیسہ ہے، تمہاری چھوٹی تائی۔ چلو لڑکیوں اپنا تعارف کرواؤ۔"

"میں کرن ہوں۔"

کرن نے کہتے ہی اُس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا جو کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھام لیا گیا۔

"اور یہ میری جڑواں بہن، منال ہے۔"

حیام نے چہرہ اُٹھائے منال کو دیکھا جو کہ خاموش نظروں سے اُسے تکے جا رہی تھی۔

"اور میں مناہل ہوں، شاہ میر بھائی کی بہن۔۔۔۔"

مناہل نے مسکراتے ہوئے پانی سے بھرا گلاس اُس کے سامنے کیا جو کہ اُس نے مسکرا کر تھام لیا اور مناہل کا گال کھینچا۔

"بہت شکریہ پیاری لڑکی!"

وہاں سب مسکرا رہے تھے، سوائے اماں بیگم اور منال کے۔

"چلو تم تھک گئی ہو گی، آ جاؤ تمہیں تمہارا کمرہ دِکھا دوں۔"

یہ کرن نے کہا تھا۔

"ہمم۔۔۔۔"

اُس کے ہاتھ میں موجود گلاس خالدہ بیگم نے تھام لیا۔

"وہ بابا۔۔۔۔۔۔"

"وہ آئیں گے تو اپنے کمرے میں چلے جائیں گے۔"

خالدہ بیگم نے ایک مرتبہ پھر اُس کی پریشانی ختم کرنا چاہی۔

"میں بابا کے کمرے میں ہی رہوں گی۔"

"بی بی اس حویلی میں لڑکیاں اپنے باپ، بھائیوں کے کمروں میں نہیں رہا کرتیں۔"

اماں بیگم نے طنز کا ایک اور تیر چلایا۔

"لیکن میں رہوں گی۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جواباً حیام نے بھی اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سارے حساب برابر کیے۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی کا راج ہوا۔ پہلے کبھی تو کسی نے یوں اماں بیگم کو جواب نہ دیا تھا۔

"اچھا رہ لینا، آجاؤ۔ اماں کچھ دنوں کی مہمان ہے کیا فرق پڑتا ہے۔ شہر سے آئی ہے، وہاں کے اصول اس حویلی سے زرا الگ ہیں۔"

نفیسہ بیگم نے ماحول میں جمی برف کو پتھرایا۔

"آؤ تمہیں چھوڑ دیتی ہوں۔"

"امی! ہم لے جاتے ہیں۔"

کرن نے اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ کرن کے ساتھ چلی گئی تھی۔ مناہل بھی ساتھ ہولی لیکن منال وہ اب تک اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔

"منال!! تم بھی چلی جاؤ بچے۔۔۔۔"

خالدہ بیگم نے اُسے جانے کا کہا۔

"جی۔۔۔"

وہ کہتی ہوئی چل دی تھی۔ برآمدے سے نکلتے ہی اُس کی آنکھوں میں خوف نے سر اُٹھایا۔ اُس کے قدموں کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ بھاگتے ہوئے سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔ وہاں حیام ایک مرتبہ پھر اُسے دِکھی، حیام نے بھی شاید اسے دیکھا تھا۔ چہرہ موڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگتی چلی گئی۔ کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کیا۔ خود کے گرد لپٹی چادر زمین بوس ہو چکی تھی۔ وہ دروازے کے ساتھ لگتی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

(وہ یہاں کیوں آئی ہے؟) بس ایک یہی سوال اُس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

ایک کمرے کا دروازہ کھولتی کرن اُسے اندر لے آئی۔

"یہ رہا چچا جان کا کمرہ۔"

کمرے میں جا بجا اُس کے بابا کی تصویریں لگیں تھیں۔ وہ یقیناً اُنہی کا کمرہ تھا۔ ہاں اُس کے بابا کا ہی تھا۔ وہاں اُس کے بابا کی خوشبو بسی تھی یا شاید اُسے ہی ایسا محسوس ہوا تھا۔

"تم آرام کر لو، فریش ہو جاؤ۔ میں کھانا لاتی ہوں۔ چچا جان لوگ تو مردان خانے میں کھا لیں گے۔"

کرن کہہ کر پلٹی لیکن حیام نے روک لیا۔

"نہیں، رہنے دو۔۔۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بہتر! چلتی ہوں۔ آجاؤ مناہل! آرام کرنے دو انہیں۔"

"آتی ہوں آپ جائیں۔"

مناہل نے کرن کو جواب دیا جسے سُن کر وہ چلی گئی۔

"کیا میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟؟"

آنکھوں میں اشتیاق لیے وہ حیام سے اجازت مانگنے لگی۔

"ہاں، بیٹھ جاؤ۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels | Afsana | Articles | Poetry | Interviews

حیام نے اُسے اجازت دی۔وہ بیٹھ گئی البتہ حیام کھڑی رہی۔

"آپ کی منگنی تھی نا؟اُنہی کے ساتھ ناجو آئے ہیں؟"

وہ شوق شوق میں وہ سب کچھ جاننا چاہتی تھی جن سوالوں سے حیام بچنا چاہتی تھی۔

"ہمم!!لگتا تو یہی ہے یا شاید آنکھوں کا دھوکا ہے۔"

دھیمے لہجے میں وہ جواب دے رہی تھی۔

"آپ منال آپی کی طرح ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔

وہ بھی بالکل آپ کی طرح مشکل مشکل باتیں کرتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں "
آتیں۔"

حیام کو وہ لڑکی یاد آگئی جو کچھ دیر پہلے عجیب نظروں سے اُس کا جائزہ لے رہی تھی۔

تمہاری مشکل میں آسان کر دیتی ہوں۔ہاں وہی ہے جس سے میری منگنی ہوئی "
تھی۔"

مناہل مسکرا کر اپنے اگلے سوال پر آگئی۔

"آرز بھائی نہیں آئے؟ مجھے بہت شوق ہے اُن سے ملنے کا۔ میں تو سمجھی تھی کہ وہ آئیں گے آپ کے ساتھ لیکن یہ تو کوئی اور ہی آ گئے۔ ارے کیا نام ہے اُن کا۔۔۔ بازل بھائی ہیں نا؟"

وہ خود سے سوال کرتی خود ہی جواب دیتی حیام کا سکون ایک مرتبہ پھر تباہ کر گئی۔ حیام نے بے بسی سے آنکھیں موندیں۔

"چلی جاؤ تم یہاں سے۔ مجھے آرام کرنا ہے۔"

لہجہ کاٹ دار تھا جسے سامنے بیٹھی مناہل نے بھی محسوس کیا۔ وہ ان لہجوں کی عادی نہ تھی۔ کوئی اُس سے اس لہجے میں بات نہ کرتا تھا۔ آنسو آنکھوں میں آ گئے جن کی پرواہ حیام کو تو ہر گز نہ تھی۔

"جی بہتر!"

رُندھی ہوئی آواز میں کہتی وہ کمرے کا دروازہ بند کرتی چلی گئی جس کے بعد حیام ڈوپٹہ اُتارے بیڈ پر سیدھی لیٹ گئی۔ یہاں موجود سب لوگ صرف حیام سے اُس ایک شخص کا ذکر چاہتے تھے اور حیام اُسی ایک شخص سے جان بخشی۔

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں

روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

(پروین شاکر)

وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی جب کرن دروازہ کھول داخل ہوئی۔ اُسے دیکھ پوچھ بیٹھی۔

"کیا ہوا ہے منال؟"

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ لڑکی۔۔۔۔"

رُک کر اُس نے کرن سے کچھ کہنا چاہا۔

"حیام نام ہے اُس کا۔"

"ہاں، وہی۔۔۔۔وہ کیوں آئی ہے؟"

کرن کو شاید ایسے غیر متوقع سوال کا اندازہ نہ تھا تو حیران ہوئی۔

"کیا مطلب کیوں آئی ہے؟ یہ حویلی اُس کی بھی ہے۔ چچا جان کی بیٹی ہے وہ۔"

"نہیں، تم نہیں سمجھو گی میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

بکھرے ہوئے حلیے میں وہ بیڈ کے کنارے پر جا بیٹھی۔

"کرن!!تم نے اُس کی آنکھیں دیکھی ہیں؟"

"ہاں، دیکھی ہیں۔ بالکل نارمل ہیں۔"

کرن کو وہ ٹھیک نہیں لگی تھی۔

نہیں تم نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا ہی نہیں ورنہ تمہیں دِکھ جاتا جو میں نے دیکھا ہے۔"

"کیا دیکھا ہے تم نے؟"

"میں نے۔۔۔میں نے اُس کی آنکھوں میں۔۔۔۔بغاوت دیکھی ہے۔"

وقفے وقفے سے کہتی وہ بے بنیاد باتیں بولے جا رہی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم؟"

کرن نے سوال کیا۔

"نہیں، میں نے سچ میں۔۔۔۔"

وہ بولنا چاہتی تھی مگر کرن نے روک دیا۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے منال۔ سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔"

تم نے دیکھا نہیں اُس نے تمہاری اماں کے سامنے جواب دینے کی غلطی بھی کی ہے؟"

کرن جو واپس جا رہی تھی ٹھہر گئی۔

"اب سوچو کہ میں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔"

وہ چل کر اُس کے پاس آئی۔

"وہ بغاوت چاہتی ہے اور میں نے اُس کے آتے ہی بغاوت کی بو سونگھ لی ہے۔"

"وہ ایک دو دن میں کیا کر لے گی؟ کچھ بھی نہیں۔"

کرن نے جواب دیا۔

"بغاوت کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے۔"

اُس کی بات سُن کرن مختلف سوچوں میں گھری کمرے سے نکل گئی جبکہ وہ وہیں کھڑی حیام بخاری کی آنکھوں میں دفن قصوں، کہانیوں کی تلاشی لینا چاہتی تھی۔۔

پوری حویلی سو چکی تھی۔ آج پھر چاند کی روشنی میں ایک وجود سر تا پاؤں چادر میں

سموئے چلتا اُسی ایک کھڑکی کے پاس آیا اور ہمیشہ کی طرح وہیں زمین پر ڈھے گیا۔

"تم پھر آگئی ہو؟ کتنی مرتبہ کہا ہے کہ مت آیا کرو، کوئی دیکھ لے گا۔"

کھڑکی کے دوسری طرف بیٹھے لڑکے نے ہمیشہ کی طرح کہی بات دہرائی۔

"مجھے میرا جواب دے دیں گے تو چلی جاؤں گی بشرطیکہ کہ جواب میرا من چاہا ہو۔"

وہ بھی بضد تھی۔

"تمہارا بچہ تم تک جلد آجائے گا۔ میرے آدمیوں نے اُسے ڈھونڈ لیا ہے۔"

"سچ؟؟ سچ کہہ رہے ہیں نا آپ؟"

آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ آج پھر ایک ماں اپنی اولاد کے لیے رو رہی تھی۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ کچھ دن اور بس، پھر لے آؤں گا اُسے میں۔"

اب کی بار اُس نے وعدہ نہیں لیا تھا۔ اب شاید ضرورت نہ رہی تھی۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی، سکون کی نیند سونے۔ نہیں، نہیں اُسے نیند کہاں آنی تھی اب۔۔۔۔ اُس کی منزل قریب تھی۔ اس حویلی کے لوگ چاہتے یا نہ چاہتے، اُس کا بچہ اس حویلی میں آکر رہے گا اب۔ اب اُسے بغاوت نہیں کرنی تھی۔ حویلی میں بغاوت کرنے اور بہت لوگ جو آچکے تھے۔ اُسے تو بس اپنا بچہ چاہیے تھا۔۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

اُسے گئے ہوئے نجانے کتنے گھنٹے گزر چکے تھے۔رات کا جانے کون سا پہر ہو گیا تھا، وہ زمین پر بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا دور کسی نقطے کو تکنے میں مصروف تھا۔سامنے رکھی میز کھلی ہوئی تھی، وہی جس میں اُس کے راز دفن تھے۔ہاتھ میں حیام کے بچپن کی تصویر تھی جس میں وہ مسکراتی کہیں سے بھی اب کی حیام نہ لگ رہی تھی۔ایک مرتبہ پھر اُس نے اپنے ہاتھ میں موجود اُس تصویر کو دیکھا۔نیلے رنگ کا باربی گاؤن پہنے، بال کھولے جو کہ اُس وقت کاندھوں تک آتے تھے۔۔۔اُسے ہمیشہ سے ہی شاید بال کھول کر رکھنے کی عادت تھی، سر پر تاج سجائے مسکرا رہی تھی۔وہ اُس کی نویں سالگرہ کی تصویر تھی۔آرز کو یاد آیا کہ اُسے ہمیشہ سے شوق ہوا کرتا تھا پرنسز بننے کا اور تصویر میں پہنا وہ باربی گاؤن، وہ بھی تو آرز کی ہی پسند کا تھا۔آرز حسن سوچتا ماضی میں کھو گیا۔

نو سال کی حیام اپنے کمرے میں رو رہی تھی، وجہ یہ تھی کہ اُسے گلابی رنگ کا باربی گاؤن چاہیے تھا جو کہ مل ہی نہیں رہا تھا اور اُسے تو بس اپنی سالگرہ منانی تھی تو اپنی پسند کا رنگ پہن کر۔

آرز جس کی عمر پندرہ سال تھی، دروازہ کھولے اندر داخل ہوا۔

"کدھر ہے حیام؟؟ میری جان کدھر ہو؟"

شاید وہ آرز کو پہلی نظر میں نہ دِکھی تھی، چہرہ گھما کر دیکھا تو بیڈ کی دوسری سائیڈ پر زمین پر بیٹھی اب چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسے چھپتا دیکھ آرز مسکرایا۔

"ارے میری ڈول تو مجھے مل ہی نہیں رہی، اب کیا کروں میں؟"

اُس کے ڈول کہنے پر حیام نے منہ کے زاویے بگاڑ اُس کی نقل اُتاری۔

"اوفو!!!! اب مجھے نئی ڈول ڈھونڈنا پڑے گی۔"

وہ افسوس سے کہتا وہیں بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اُس کی پشت حیام کے جانب تھی۔ حیام نے آہستہ سے اپنا سر اُٹھا کر اُسے دیکھا، وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا وہ یہی سمجھی تھی جبکہ سامنے آئینے میں اُس کو یوں باہر نکلتا دیکھ کر آرز کو ہنسی آئی۔

"ایک کام کرتا ہوں کہ میں مشعل کو اپنی ڈول بنا لیتا ہوں۔"

آرز نے کہتے ہی جھوٹ موٹ کا اُٹھنے کا ناٹک کیا جو کہ کارآمد ثابت ہوا۔ حیام فوراً نکل کر باہر آئی۔

"نو۔۔۔۔"

اُس کے یوں کہنے پر آرز نے حیران ہونے کی بھرپور کوشش کی۔

"ارے میری ڈول تو یہیں تھی، مجھے دِکھی ہی نہیں۔"

"ارے آرز بھائی!! میں آپ کی ڈول نہیں ہوں۔"

منہ کے زاویے ایک مرتبہ پھر بگاڑے۔

"اچھا تو پھر کیا ہو؟؟"

وہ واپس بیٹھتا اُس کے ہاتھ تھام گیا۔

"میں آپ کی جان ہوں۔ڈول تو میں اپنے بابا کی ہوں نا۔"

اور جان لفظ پر تو آرز حسن قربان جاتا تھا۔وہ سچ میں اُس کی جان تھی۔

"چلو ٹھیک ہے آج سے تم میری جان ہو۔پھر میری جان میری ایک بات مانے گی؟؟"

"وہ کیا؟"

ساتھ ہی اثبات میں سر بھی ہلایا۔

"مجھے نا یہ گلابی رنگ بالکل نہیں پسند،نیلا رنگ پسند ہے مجھے۔اور میں چاہتا ہوں کہ تم سالگرہ پر نیلے رنگ کی باربی بنو میری۔"

اُس کا چہرہ دل میں اُتارتے وہ اُسے راضی کر رہا تھا۔

"اوفو یہ آپ کو نیلا رنگ کیوں پسند ہے؟؟ مجھے نہیں پسند۔۔۔۔۔۔"

وہ منہ پھلائے اپنے ہر لفظ کو لمبا کھینچے بول رہی تھی۔ کیا انداز تھے؟ لیکن پھر ساتھ ہی بول پڑی۔

"آپ کو جو پسند ہے آپ کی جان وہی پہنے گی۔"

وہ مسکرا کر کہتی اُس کی بازو سے چپک گئی، اور بھی نجانے وہ کیا کیا بولے جا رہی تھی لیکن آرز حسن واپس حال میں لوٹ چکا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھوں میں آنسو۔ وہ جس کو افسردہ نہیں دیکھ سکتا تھا، آج کیسے وہ اُس سے ناراض ہو کر دور جا بیٹھی تھی۔ کیا معلوم وہ ٹھیک ہو گی بھی یا نہیں؟ گردن گھما کر باہر آسمان پر موجود چاند کو دیکھا، تو کچھ یاد کر کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔ فوراً موبائل اُٹھا کر شاہ میر کو کال کی۔ کافی دیر کے بعد کال اُٹھائی گئی۔

"کہاں تھا؟ فون کیوں نہیں اُٹھا رہا تھا تو میرا؟؟"

"یار سو رہا تھا میں۔ کیا ہو گیا ہے؟ رات دیکھ کتنی ہو گئی ہے۔۔۔"

شاہ میر کی آواز اُس کی نیند کی چغلی کھا رہی تھی۔

"تو نیند کو دفع کر، یہ بتا وہ ٹھیک ہے نا؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آواز میں بے قراری تھی۔

"ہاں، ٹھیک ہے وہ۔بس یہ پوچھنے کے لیے کال کیا تھا؟؟"

شاہ میر کہنی کے بل بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

"نہیں، یہ پوچھنا تھا کہ اُس کے کمرے میں کھڑکی موجود ہے؟"

اُس کا سوال سُنتے ہی شاہ میر تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔

"آرز یار تو پاگل تو نہیں ہے؟؟ یہ پوچھنے کے لیے تو نے مجھے اُٹھایا ہے کہ اُس کے کمرے میں کھڑکی ہے کہ نہیں۔۔۔کیوں تو نے وہاں سے کُود کر جان دینی ہے؟"

شاہ میر کو اپنی نیند میں خلل بُرا لگا تھا۔

"یہ غصہ اپنا سنبھال کر رکھ۔میں تیرا منہ توڑ دوں گا، جو پوچھا ہے وہ بتا۔۔"

جواباً وہ خاموش رہا۔

"شاہ میر۔۔۔۔۔۔"

آرز کی آواز میں تنبیہ تھی۔

"مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ٹھہری ہے۔رات مردان خانے سے آتے دیر ہو گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صبح معلوم کر کے بتادوں گا تجھے۔"

"نہیں، تو ایک کام کر ابھی اُٹھ جا کر دیکھ۔"

حکم سُنایا گیا۔

"تو پاگل ہو گیا ہے آرز؟"

شاہ میر کو کوفت ہوئی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا جا کر دیکھ اور اگر اُس کے کمرے میں کھڑکی نہیں تو کمرہ بدلوادے۔ اُسے رات میں چاند کو تکنے کی عادت ہے۔نہ نظر آیا چاند تو ساری رات جاگتی رہے گی۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرز کا کہنا تھا کہ شاہ میر نے ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے نظر آتے چاند کو ملامتی نظروں سے دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔خدا حافظ۔۔۔"

کہتا ہوا فون بند کر گیا۔ بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ پھر چاند کو دیکھا۔

"لعنت ہے یہ محبت پر۔۔حد ہو گئی بھئی، اتنی چھچھوری حرکتیں۔۔اب اس وقت لڑکیوں کے کمرے جھانکتا اچھا لگوں گا کیا؟ اسی وجہ سے میں محبت وحبت کے چکر میں

نہیں پڑتا چاند میاں!"

چاند کو تکتے وہ اُس سے بات کر رہا تھا۔ نظروں کے سامنے ایک پری چہرہ اُبھرا جو کہ جیسے آیا تھا ویسے ہی اپنی جھلک دکھائے غائب ہو چکا تھا۔

"آہ!! یہ محبت۔۔"

کہتے ساتھ ہی واپس سونے کے لیے لیٹ گیا۔ہاں البتہ اس مرتبہ اپنا موبائل آف کرنا نہ بھولا تھا۔

جبکہ دوسرے منظر میں حیام سچ مچ نہ سو سکی تھی۔اُس کمرے میں کہیں کوئی کھڑکی موجود نہ تھی جہاں وہ چاند کو دیکھ سکتی۔اگر یہ بات آرز حسن جان لیتا تو شاہ میر کو اپنے ہاتھوں مار دیتا۔۔

وہ اپنے کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھی سوچ میں گم تھی اور اُس کی سوچ کے تمام سرے حیام سے جا ملتے تھے۔اُس کے جانے کے بعد مشعل نے اسے سب باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔کتنا کچھ چھپایا گیا تھا اس سے۔۔۔۔

حیام مجبور ضرور تھی لیکن وہ بتا تو سکتی تھی، کوئی اشارہ تو دیا ہوتا۔کاش کہ حیام نے اس سے دوستی نبھائی ہوتی۔اگر وہ دوستی نہیں نبھا سکتی تھی تو پری کا بڑھایا ہاتھ تھاما ہی کیوں

تھا؟ دوست ایسے تو نہیں ہوتے جو آپ کو جانتے بوجھتے اندھی کھائی میں دھکا دے دیں۔ چاہے وہ کتنی ہی دلیلیں دے، اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ حیام کو معاف نہیں کرے گی۔ مشعل ٹھیک کہتی تھی اُس نے پری کو جھوٹی یقین کی ڈوریں تھمائیں تھیں۔

ٹھیک ہے وہ آرز کو پسند نہیں کرتی تھی، اُس رشتے سے خوش بھی نہ تھی لیکن سچائی جاننے کا اسے حق تھا۔ بھلا خوش گمانیوں پر بھی کبھی کسی کا بس ہوتا ہے۔ خوش گمانیاں تو نہ چاہتے ہوئے بھی چپ کر کے آپ کے دامن سے آ لپٹتی ہیں۔

کوئی جو بھی کہے کہ اُس کے لیے معاف کرنا آسان تھا، اُس کا دل کون سا آرز کے نام کی تسبیح پڑھتا تھا۔ وہ کہہ سکتے تھے۔ جس پر گزرتی ہے وہ جانتا ہے کہ بات عزت اور ریجیکشن پر آ جائے تو دل کہاں رہتا ہے۔

لیکن وہ مجبور بھی تھی۔ ہزار فیصلے کر لینے کے بعد اُس کا دل وہی نرم تھا۔ رہ رہ کر حیام کی کہی باتیں ذہن کے پردے پر رقص کرتی تھیں۔

(مجھ سے ہمدردی تمہیں بہت مہنگی پڑ گئی ہے۔)

حیام کے کہے الفاظ کان میں گونجنے لگے۔

(ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔)

ایک مرتبہ پھر۔۔۔۔۔پری نے آنکھیں بند کر کے اُن الفاظوں، حیام کی آواز سے

جان چھڑانا چاہی۔

(اگر تم جان لو تو میں آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔)

لیکن وہ آواز جا ہی نہیں رہی تھی۔اب کی بار کانوں پر ہتھیلیاں جمائے کوشش کی گئی۔

(مجھ سے نفرت مت کرنا پریشے!)

ہر کوشش بے کار گئی تھی۔اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں تم سے نفرت نہیں کر سکتی حیام!!! تم میں کچھ ایسا جادو ہے جو مجھے تم سے کبھی نفرت نہیں کرنے دے گا۔"

آنسوؤں کو روکتی اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور اپنی اُنگلی میں موجود آرز کے نام کی انگوٹھی ایک نظر دیکھ اُتار دی۔

"حیام!!! تم تو چلی گئی ہو،اپنی امانت میرے پاس چھوڑ گئی ہو۔یہ تو لیتی جاتی۔۔۔۔"

اُٹھ کر وہ انگوٹھی ڈبیہ میں ڈال بند کر دی۔جانے اب وہ ڈبیہ کب کُھلنی تھی؟ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ جب تک اُس انگوٹھی کو پھر سے روشنی کی لو نصیب ہوتی،تب تک اُس کی چمک وقت کی دھول کے نظر ہو چکی ہوتی۔۔

سورج کی پہلی کرن منظر پر چمکتے ہی حویلی کی زندگی معمول پر آگئی۔ جہاں شہر کی دنیا ابھی تک سونے میں مشغول تھی، وہیں گاؤں میں بسنے والے اپنے شاید آدھے کام نپٹا چکے تھے۔

شاید رات کے کسی پہر حیام کی آنکھ لگ گئی تھی جو کہ اب کسی آواز پر کُھلی تھی۔ آواز کی سمت جاننا چاہی تو معلوم ہوا کہ آواز دروازے کے دوسری جانب سے متوقع تھی، ضرور کوئی اُسے جگانے آیا تھا۔

کسلمندی سے اُٹھتی دوپٹہ اوڑھا اور کھلے بالوں کو جوڑے میں لپیٹا۔

"آجائیں، دروازہ کھلا ہے۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یقیناً دروازہ کھلا ہی تھا۔ اُس کے بابا جو وہاں موجود نہ تھے۔ ضرور یہاں کی زندگی کی ڈگر پر چل نکلے ہوں گے۔ اُس کے اجازت دیتے ہی کرن اندر داخل ہوئی۔

"سلام! وہ میں آپ کو اُٹھانے آئی تھی۔"

"وعلیکم السلام!! اُٹھ گئی ہوں میں۔"

کہتے ساتھ ہی منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے باتھ روم کا رخ کیا۔ جبکہ کرن باہر اُس کی منتظر کھڑی رہی۔ حیام جوں ہی باہر نکلی، وہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گئی۔

"آجائیں، ناشتہ تیار ہے۔ حویلی میں تو سب کر چکے، چچا جان بھی مردان خانے چلے گئے ہیں۔ جانے سے پہلے آپ کے خیال کا کہہ کر گئے تھے۔"

حیام نے ایک نظر اُسے دیکھا۔

"بازل؟؟وہ کدھر ہیں؟"

وہ باہر جانے کے لیے تیار تھی۔ کپڑے البتہ اب بھی کل والے ہی تھے۔

"وہ بھی شاید مردان خانے ہی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم۔۔۔۔۔۔۔"

کرن اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی جسے حیام نے محسوس کر لیا تھا۔

"کیا ہوا؟؟کچھ مسئلہ ہے کیا؟"

"نہیں، وہ اگر کپڑے تبدیل کرنا چاہو تو میں انتظار کر لوں گی۔"

"نہیں میں بعد میں کر لوں گی۔ مجھے کچھ ضروری بات کرنا ہے بازل سے۔"

وہ کہتے ہوئے باہر کو نکل گئی۔ کرن اُس کے ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھی۔ وہ اب بھی خود کو چادر میں چھپائے ہوئے تھی، ہاں چہرہ واضح تھا۔

اُس کے برعکس حیام کا ڈوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا۔ سیڑھیاں اُترتے ہی حیام نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کہاں جانا ہے؟"

"آجاؤ، اس طرف کچن ہے۔"

بائیں جانب وہ اُسے لیے چل دی۔ وہاں داخل ہوئی تو چار پانچ ملازمائیں جو کہ اپنے کاموں میں مصروف تھیں، سب کام چھوڑ سر جھکائے کھڑی ہو گئیں۔

"سلام بی بی جی!"

ہم آواز سلام کرتیں چادر سے خود کو ڈھکے سب کی سب جواب کی منتظر تھیں۔ حیام کے لیے یہ سب نیا تھا۔ یہ کون سی دنیا تھی جہاں وہ آگئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|

"وعلیکم السلام!"

"آجاؤ حیام! یہاں بیٹھو۔۔۔۔"

کرن نے باورچی خانے کے وسط میں موجود ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ بیٹھ گئی۔

"بشیر ابی! ناشتہ دیں۔"

کرن کے ایک مرتبہ کہنے پر ہی ایک ملازمہ جو عمر میں باقی تمام ملازماؤں سے بزرگ معلوم ہوتیں تھیں، آگے ہو کر ایک ایک کر میز پر سجے ناشتے کے ڈھکن اُٹھاتیں حیام

کے حکم، اُس کی پسند سے آگاہی چاہتی تھیں۔

"آپ رہنے دیں، میں کر لوں گی۔"

حیام نے اُنہیں منع کرنا چاہا لیکن کرن نے ٹوک دیا۔

"یہ ان کا کام ہے، انہیں کرنے دو۔"

باہر برآمدے سے اماں بیگم کی آوازیں آنے لگیں، وہ بشیر ابی کو بلا رہی تھیں۔ ایک جوان عمر لڑکی فوراً آگے بڑھی۔

"بے بے!! تو جا میں دیکھ لیتی ہوں۔"

حیام نے غور سے اُس لڑکی کو سر تا پاؤں دیکھا۔ وہ شاید حیام کی ہم عمر تھی یا اُس سے بھی چھوٹی۔

"کیا لیں گی آپ؟؟"

"کافی۔۔۔۔"

حیام کے کہنے کی دیر تھی وہ سوالیہ نظروں سے کرن کو تکنے لگی۔

"حیام معذرت خواہ ہوں۔ یہاں کی ملازمائیں کافی بنانا نہیں جانتی ہیں۔ حویلی کے تمام لوگ چائے ہی پیتے ہیں۔ ہاں، شاہ میر بھائی کافی لیتے ہیں لیکن تمام سامان اُن کے

کمرے میں ہی موجود ہوتا ہے اُن کی آسانی کے لیے۔"

حیام نے آنکھیں بند کیں۔

"کوئی بات نہیں، میں چائے پی لوں گی۔"

حیام کے کہتے ہی اُسی لڑکی نے ایک مرتبہ پھر چائے سے بھرا کپ اُس کے سامنے رکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اُسے پیتی، مناہل وہاں آ پہنچی۔

"سلام، حیام باجی! وہ اماں کا انتظار کر رہی ہیں۔ شاہ میر بھائی آپ کے لیے کافی لا رہے ہیں۔"

"وعلیکم السلام! اُنہیں کس نے۔۔۔؟"

ابھی وہ جملہ بھی مکمل نہ کر پائی تھی، مناہل پھر بول پڑی۔

"بازل بھائی نے بتایا ہے اُنہیں کہ آپ چائے نہیں پیتی۔"

"اُن کو منع کر دو۔ میں چائے پی لوں گی۔"

وہ کہہ تو رہی تھی لیکن ہاتھ بڑھایا تک نہ تھا۔ چہرہ اُٹھا کر کرن کو دیکھا۔ وہ اسے ہی تک رہی تھی۔

"کہاں ہیں تمہاری اماں بیگم؟"

کھڑے ہوتے وہ عجیب لہجے میں پوچھنے لگی۔

"میں لے چلتی ہوں آپکو۔اُن کے پاس بازل بھائی ہیں ناتو کرن آپی سامنے نہیں جائیں گی۔"

حیام مناہل کے ساتھ چلی گئی جب کہ کرن وہیں کھڑی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

(منال ٹھیک کہہ رہی تھی۔شاید یہ لڑکی بغاوت چاہتی تھی۔)

حیام کے ہر انداز میں باغی پن تھا۔۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وہ مناہل کے ساتھ چلتے ہوئے باورچی خانے سے باہر نکلی۔آج مناہل نے بولنے میں پہل نہ کی تھی۔شاید وہ رات والے انداز سے ڈر گئی تھی۔

"معاف کردو مجھے۔۔۔"

حیام کی بات پر مناہل نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"کس چیز کے لیے؟؟"

"کل ڈانٹ دیا تھا میں نے تمہیں۔طبیعت ٹھیک نہیں تھی میری۔۔۔۔۔سوری۔۔"

وہ دوزانو وہیں اُس کے سامنے بیٹھ گئی،اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے۔

"اب بالکل نہیں ڈانٹیں گی نا آپ مجھے؟؟"

مسکراہٹ ایک مرتبہ پھر نمودار ہوئی۔

"بالکل بھی نہیں۔ آؤ دوستی کر لیتے ہیں۔۔۔"

حیام نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے وہ فوراً سے بھی پہلے تھام گئی تھی۔

"تم جاؤ میں چلی جاؤں گی۔ یہاں سے برآمدے تک مجھے راستہ معلوم ہے۔"

حیام کے مسکرا کر کہنے پر وہ ہاں میں سر ہلائے واپس چلی گئی۔

حیام واپس اُٹھتی چلنے لگی۔ اطراف کا جائزہ لیتی وہ برآمدے سے آنے والی آوازوں کے قریب جا رہی تھی۔ برآمدے اور اُس کے درمیان پردوں کا ایک طویل سلسلہ تھا اور پردے کے اُس پار ہونے والی گفتگو وہ بآسانی سُن سکتی تھی لیکن آوازوں کو دھیمار کھا گیا تھا۔

برآمدے میں اماں بیگم کے ہمراہ اُس کے بابا موجود تھے۔ نجانے وہ کیا بات کر رہے تھے جس پر اماں بیگم غصے کا اظہار کر رہیں تھیں۔ حیام نے آگے ہو کر اُن کی باتیں واضح طور سننا چاہیں۔

"کیا کہہ رہا ہے مصطفیٰ؟؟ منگنی توڑ دی ہے۔ ارے تو باؤلا ہو گیا ہے؟ ایک تو پہلاں یہ

منگنی کرنے کی سو جھی، تو کیا سو جھی تھی تجھے؟ جب تو جانتا تھا کہ سیدوں میں منگنیاں نہیں ہوتی ہیں، سیدھے نکاح ہوا کرتے ہیں، رخصتیاں ہوا کرتیں ہیں؟"

"خالہ اماں!! آپ میری بات سمجھیں۔ غلطی ہو گئی لیکن خیر اچھا ہی ہوا۔ میری بیٹی خوش نہیں تھی۔ میں کیسے کوئی سخت قدم اُٹھاتا۔۔۔؟"

"بس کروے میاں، یہ شہر نہیں اے جہاں تو اپنی چار باتیں سنائے گا تو میں مان جاؤں گی۔ یہ حویلی اے، یہاں کڑیوں سے اُن کی مرضیاں نہیں پچھی جاندیاں۔ حکم سُنائے جاندے نیں۔۔ اور بُرا مت مانیو تیری اس بیٹی کو دیکھ ہی پتہ چلے اے کہ کیا تربیت ہوئی ہے اُس کی؟"

حیام سے مزید نہ سُنا گیا، پردہ اُٹھاتی وہ برآمدے میں داخل ہوئی تو سامنے بیٹھے مصطفیٰ صاحب نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ حیام کی آنکھوں میں جھانکتے وہ چہرہ موڑ گئے۔ کیا کیا نہ تھا اُن کی بیٹی کی آنکھوں میں، شکوہ، شکایت، گلا۔۔۔۔۔۔

وہاں اُن کے علاوہ بشیر ابی بھی موجود تھیں اور بازل بھی جو پیچھے کو کھڑا سر جھکائے کھڑا تھا۔ حیام کو دیکھ اُس نے مسکرانے کی سعی کی۔ حیام چلتے ہوئے اُس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی، اُس کا بازو پکڑے اُس کے ساتھ لگ گئی۔ یہ عمل اماں بیگم نے تیوری چڑھائے دیکھا۔

نجانے حیام کو اُنہیں چھیڑنے، تنگ کرنے میں کیا سکون مل رہا تھا۔ مسکرا کر اماں بیگم کو دیکھا اور پھر سر اُٹھا کر بازل کو دیکھا۔ جواباً بازل نے بھی اُس کے کاندھوں پر اپنا بازو پھیلایا۔

مصطفٰی صاحب آہستہ آواز میں اماں بیگم کو حیام کے ٹھہرنے سے متعلق آگاہ کرنے لگے۔ اماں بیگم لگاتار حیام کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈوپٹہ اوڑھے، بالوں کا جوڑا بنائے وہ نامحرم مرد کے ساتھ چپک کر کھڑی تھی۔ کیا سیدزادیاں ایسی ہوتی ہیں؟؟ نہیں، وہ ایسی تو نہیں ہوتی ہیں۔ بازل حیام سے آہستہ آواز میں ہی کچھ کہہ رہا تھا، جس کا مسکرا کر وہ جواب دیتی اپنے ارد گرد تمام لوگوں کی موجودگی بھول گئی۔

"حیام!! یہ لو کافی۔۔۔۔"

شاہ میر کافی کا کپ ٹرے پر سجائے منظر پر نمودار ہوا۔اُس کے آتے ہی حیام نے اپنا دوپٹہ مزید پھیلایا۔ جو بھی تھا، وہ اماں بیگم سے اپنی جنگ میں ابھی اتنا نہیں گری تھی۔ بازل اُس کا بھائی تھا۔ وہ اُس کے سامنے بھی ڈوپٹہ لیتی تھی لیکن وہ اوڑھنا اس حویلی کی اماں بیگم کے مطابق گلے میں لٹکا پھندا تھا بس اور کچھ بھی نہیں۔

"بہت شکریہ!"

حیام نے کہتے وہ کپ تھام لیا۔

"شاہ میر!! جا مردان خانے اپنے چاچا کو لے جا۔ حویلی کی عورتوں کو مزید چار کام بھی ہوتے ہیں، کمروں میں بند نہیں رہ سکیں۔ یہ چاکری کوئی اور کر لے گا۔"

ساتھ ہی اُس کایوں حیام کو کافی لاکر دینے پر بھی چوٹ کی۔ بشیر انے آگے بڑھ کر شاہ میر کے ہاتھوں میں موجود ٹرے تھام لی۔ مصطفیٰ صاحب حیام کو اشارہ کر چلے گئے، شاہ میر اُن کے پیچھے ہی چلنے لگا۔ بازل کو بھی آنے کا اشارہ کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ شاہ میر نے ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھا۔

"میں خالہ اماں سے بات کر کے آتا ہوں۔"

بازل کے جواب پر وہ سر ہلاتا چلا گیا۔

حیام کو ایک طرف کر وہ چلتا ہوا خالہ اماں کے قدموں میں بیٹھا اور سر گوشی نما آواز میں اُن کے ہاتھ تھام بولنے لگا۔

"یہ منگنی ہو جانا اور پھر اگلے دن ہی ٹوٹ جانا، آپ کہتی ہیں تو معیوب ہی ہو گا۔ آپ بڑی ہیں ہم سب سے، دنیا دیکھی ہے۔ جو اصول و قواعد بنائے ہیں بالکل ٹھیک ہوں گے۔ خالہ اماں میں آپ کو زیادہ تو نہیں جانتا بس رسمی سا سلام دعا کا تعلق ہے۔ بس اتنا کہنا ہے کہ ناسمجھ ہے یہ۔ آج تک شہر کی زندگی جیتی آئی ہے، یہاں کی دنیا اسے سمجھ نہیں آئے گی۔ آپ سکھائیں گی تو سب سیکھ لے گی۔ ضدی بہت ہے، پیار کی بات مان

جاتی ہے۔ جانتاہوں آپ اس کی ہٹ دھرمی برداشت نہیں کریں گی، اس لیے سوچ رہاہوں کہ پورا سچ جاننا آپ کے لیے ضروری ہے۔۔۔"

"کون سا پورا سچ؟"

خالہ اماں نے نظروں کا رخ حیام سے بازل کی جانب موڑا۔

"اب جب دوبارہ اسے دیکھیں گی ناتو دل کی نظروں سے دیکھیے گا۔ غور کریں گی تو معلوم ہو جائے گا آپ کو کہ آپ کے پاس اُس کی امانت چھوڑ کر جائیں گے ہم۔"

"اُس کی؟ کس کی؟"

آواز میں موجود سختی اب نہ تھی۔ شاید وہ جان گئیں تھیں۔

"وہی جو بے جی کہتا ہے آپ کو۔۔۔۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

آواز میں حیرانی رقم تھی۔

"وہ ڈر گیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ بزدل ہے، اُس کے پاس ہزار وجوہات ہیں۔ کوئی سُنے گا تو ہنسے گا یہ بھی کوئی دلائل ہیں لیکن اُس کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سچ میں وہ تمام وجوہات جو سُننے کو گھسی پٹی معلوم ہوتیں ہیں، بہت ظالم ہیں۔۔۔ مار دیا ہے اُنہوں نے

اُس کو۔اپنا دل نکال کر میرے ہاتھوں میں دے دیا اور۔۔۔۔۔۔"

"اور وہ دل تیرا تھا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔"

اماں بیگم نے اُس کی بات درمیان سے کاٹ پوری کی۔

"ہمم!! وہ دل میرا تھا ہی نہیں۔ابھی شہر میں ایک اور جنگ لڑنی ہے اُسے، میرا منتظر ہے وہ۔مجھے لگا کہ اُس کے دل کو خطرہ ہے تو سوچا کیسے واپس کروں۔۔۔۔دنیا بہت ظالم ہے مار دے گی، پھر سوچا آپ واحد ہیں جو اُس تک اُس کی امانت باحفاظت پہنچا دیں گی۔"

"اور تجھے ایسا کیوں لاگے ہے کہ میں اپنے اصولوں کو آگ میں جھونک دوں گی؟"

"نہیں، مجھے ایسا کچھ بھی نہیں لگتا۔مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ اُس کا دل آپ کے اصولوں کی لپیٹ میں قید بھی رہے گا تو محفوظ رہے گا۔ایک نا ایک دن آپ مجبور ہو جائیں گی اور اُسے اُس کی امانت سونپ دیں گی۔وہ بس آ جائے گا تو آپ پگھل جائیں گی۔دیکھ لیجیے گا۔"

خالہ اماں کے ہاتھ تھپتھپاتے وہ کھڑا ہوا، حیام تک چل کر آیا۔وہ کافی کا کپ لیے اب تک وہیں کھڑی اُن کی باتیں سُننے کی کوشش کر رہی تھی۔کپ میں موجود کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔مسکرا کر اُس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"جیسا یہ کہیں کر لینا۔ ہم آج ہی چلے جائیں گے۔ جانا ضروری ہے لیکن تمہارا بھائی تم سے غافل نہیں رہے گا۔"

کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ حیام کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔ جانے کی بات پر دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ یہاں اس ویران حویلی میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔

"بشیرا اپنی بیٹی کو بلا۔"

حیام کو دیکھتیں اماں بیگم نے بشیرا کو حکم دیا۔ اب کی بار حیام نے اُن سے نظریں نہ ملائیں تھیں۔ بشیرا اماں بیگم کے حکم پر اپنی بیٹی کو بلا لائیں جو شاید آج پہلی مرتبہ ہی حویلی آئی تھی۔ حیام نے اُسے دیکھا۔ وہ وہی تھی جو باورچی خانے میں اُسے چائے دے رہی تھی۔

"کیا نام ہے تیرا لڑکی؟"

"سعدیہ۔۔۔۔۔"

"آج سے تو پل پل سیدہ بی بی کے ساتھ رہے گی۔"

"جی بہتر۔۔۔۔"

حیام وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ سعدیہ نامی لڑکی کسی ڈور کی مانند اُس کے پیچھے پیچھے چلنے

لگی۔اماں بیگم نے اُسے دور تک پردوں کی اوٹ سے دیکھا تھا۔

حویلی کی درودیوار پر سرما کی دھوپ چہک رہی تھی۔آج اتنے دنوں کے بعد سورج نے اپنا دیدار کروایا تھا۔بادلوں کی آنکھ مچولی وقفے وقفے کے ساتھ جاری تھی۔ایسے میں حویلی کے مرد مردان خانے میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

"کچھ دن اور رُک جاتے تو اچھا ہوتا۔"

وقار شاہ نے مصطفیٰ صاحب کو روکنے کی ایک کوشش مزید کی۔وہ کب سے دونوں بھائی اُنہیں روکنے کی کوششیں کر رہے تھے،آخر کو خون کا تعلق تھا اور یہ رشتے تو ہوتے ہی ایسے ہیں۔۔صدیوں بعد بھی ملاقات ہو تو خون جوش کے سمندر میں غوطے کھاتا رہتا ہے۔

وقار شاہ حویلی کے بڑے تھے،ایک رعب ودبدبہ تھا اُن کا۔لیکن اپنے رشتوں اور سب سے بڑھ کر اپنی تہذیبوں،روایتوں سے پیار اُن کی گھٹی میں ہی بے تحاشہ بھرا پڑا تھا۔

"بھائی!یوں مجھے مجبور مت کریں۔میرا جانا ضروری ہے۔"

مصطفیٰ صاحب نے ہر بار کی طرح ایک ہی جواب پھر سے دہرایا۔

"تمہیں آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟اماں کو تو دو دن کا کہہ کر آئے تھے،وہی دو دن تو پورے کرتے جاؤ۔"

اب کی بار عمران بخاری نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

"تایاجان!! ہم ضرور رُک جاتے لیکن جاناواقعی بہت ضروری ہے۔آفس کے کچھ معاملات ہیں،جن کا نمٹانا بے حداہم ہے اور آرز تنہاسب نہیں سنبھال سکتا۔"

مصطفٰی صاحب کو یوں مجبور ہوتے دیکھ بازل نے بولنا شروع کیا۔

"زندگی میں پہلی مرتبہ آئے ہو تم حویلی اور دیکھو ذرا،مصروفیات کی ڈورا پنے قدموں سے باندھ لے آئے ہو۔"

وقار شاہ بازل سے متوجہ ہوئے۔

"آپ فکر کیوں کرتے ہیں تایاجان؟اب جب یہاں کا راستہ طے کر منزل تک آہی گیا ہوں تو اب آتا رہوں گا۔اور یہاں آنے کی سب سے بڑی وجہ تو چھوڑے جارہے ہیں ہم۔۔۔"

اُن کا ہاتھ تھام وہ اُن سے وعدے وعید کر رہا تھا۔یہ شہری لوگوں کا بھی ایک مسئلہ رہا ہے،وہ بھی صدا سے۔نجانے کون کون سے وعدوں کی ڈوریں خود سے وابستہ کر اوروں کو تھمادیتے ہیں اور پھر خود تو وہ سب بھول جاتے ہیں لیکن یہ گاؤں،دیہات میں

رہنے والے لوگوں کے دل بہت ضدی ہوتے ہیں، معصوم ہوتے ہیں یا وہ شاید سب کو خود سا دیکھتے ہیں۔اس لیے ہی تو شاید ان جھوٹے وعدوں اور جھوٹی قسموں پر ایمان لے آتے ہیں۔

"تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں لیکن یہ شہری لوگوں کی قسموں سے بہت ڈرتا ہوں میں۔اُن کی زبان کچھ بولتی ہے اور آنکھیں کوئی اور ہی داستان سُناتی ہیں۔"

لیکن شاید وہ بھی وقت کی مار ایک مرتبہ کھا چکے تھے اور بار بار وہی ایک غلطی دہرانا نہ جانتے تھے۔

اس سب منظر میں اگر کوئی خاموش تھا تو وہ شاہ میر بخاری تھا۔وہ اُس منظر میں موجود ہو کر بھی وہاں نہ تھا۔وہ دو مختلف کشتیوں کی مسافت طے کرتے ہوئے نڈھال ہو رہا تھا۔دو منزلوں کو جاتی راہوں کے شکار راہی جب بٹتے چلے جاتے ہیں تو بارہا گرنے کا خطرہ تو رہتا ہی ہے۔

ایک طرف آرز تھا، جو اُسے جان سے بڑھ کر عزیز تھا۔۔۔۔شاید اس حویلی کے مکینوں سے بھی بڑھ کر اور دوسری جانب اس حویلی میں بسنے والے، جو اُس کی زندگی تھے۔اب تو خیر آرز حسن کی بھی منزل کو جاتا راستہ اس حویلی تک ہی آکر رُکتا تھا لیکن اب یہ حویلی پہلے سے بڑھ کر ظالم ہو گئی تھی۔

"شاہ میر بھائی!"

اپنا نام سُن وہ خیالوں کی دنیا سے واپس لوٹا۔اُس کا نام پکارنے والا بازل تھا۔باقی تمام بڑے اپنی باتوں میں مشغول ہو چکے تھے۔

"ہاں،بولو۔۔۔۔۔۔"

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں سُن رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ آرز آپ کو بہت عزیز ہے۔لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں چاہوں گا کہ آپ یہاں ہونے والی کسی بھی روداد سے اُسے واقفیت فراہم نہ کریں تو بہتر ہو گا۔"

"مطلب،کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہاں کچھ بھی ہو جائے،چاہے سے حیام کے خلاف محاذ ہی کیوں نہ کھل جائے۔۔۔آپ آرز کو کسی معاملے سے آگاہ مت کیجیے گا۔وہ سُنے گا تو تڑپ کر ادھر کو آ نکلے گا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ادھر آئے۔وہ آ گیا تو حیام۔۔۔اُس کی قربانیاں کسی کام کی نہ رہیں گی۔بلکہ اُس کی تکالیف مزید بڑھ جائیں گی۔آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات؟"

"ہمم!!! سمجھ رہا ہوں۔ لیکن وہ۔۔۔۔۔۔اُس کی قربانیاں؟"

"اُس نے اپنی کہی ابھی سُنائی ہی کہاں ہے؟ لیکن اُس کی ان کہی سب سُن گیا ہوں میں۔ یہ مشعل کا نام لے لینا تو محض ایک طرفہ قصّہ ہے، اصل قربانی جو دی ہے اُس نے وہ یہاں آگیا تو قربانی نہ رہے گی بلکہ حیام کے گلے میں پھانسی کا پھندا بن جائے گی۔"

"میں جانتا ہوں تم کیا بات کر رہے ہو۔۔۔۔"

بازل نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

"سچ میں؟ سب جانتے ہیں آپ؟؟ اُس نے بتایا ہے؟"

"ہاں، سب جانتا ہوں۔ شاید کہ تم سے بھی بڑھ کر معلوم ہے مجھے۔ میں بتانا بھی چاہوں تو میری زبان بند کروادی ہے اُس نے۔ میرے منہ کو تالا ڈال دیا گیا ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے، دھیمے لہجے میں بات کرتے، کتنے بے بس تھے۔ یہ اکثر ہم سے وابستہ رشتے، لوگ، ہمیں کس قدر بے بس کر دیتے ہیں۔ ہمیں معذور بنادیتے ہیں، ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔

"چچا جان!! ہمیں نکلنا ہے اب۔"

بازل نے اپنا رُخ مصطفیٰ صاحب کی جانب کیا۔

"ہاں، میں ایک مرتبہ حیام سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شاہ میر۔۔۔۔۔"

ایک دم سے اُن کا دل خالی ہو گیا۔ آخر کو وہ باپ تھے، اکلوتی اولاد سے جدائی کا تصور ہی اتنا جان لیوا تھا کہ الفاظوں میں پرونے کو خزانہ لُٹ چکا تھا۔

"چلیں۔۔۔۔"

شاہ میر کھڑا ہوتا اُنہیں اپنے ساتھ اندر حویلی کی جانب لے گیا اور بازل۔۔۔ہاں، بازل وہ بھی حیام کو ایک آخری نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ دیکھنے میں پورا مرد اندر سے کس قدر کمزور اور ڈرا، سہا ہوا بھائی تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔ جان ہی نہیں سکتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE

حیام اپنے بابا کے کمرے میں ہی موجود تھی۔ اپنے چہرے پر ڈوپٹہ پھیلائے، آنکھیں موندے، وہ خاموش آنسو بہا رہی تھی۔ کیا ضبط تھا کہ ایک سسکی تک نہ اُبھری تھی، ایک آہ نے بھی کمرے کی خاموشی میں انتشار برپا نہ کیا تھا۔ سعدیہ۔۔۔ہاں، وہ بھی وہاں موجود تھی۔ دروازے کے قریب نجانے کب سے کھڑی تھی۔ اگر یوں کھڑے رہنا بھی ضبط کی انتہا میں شمار ہوتا ہے، تو کیا ضبط تھا اس حویلی کے ملازموں کا۔۔۔؟

دروازے پر ہونے والی دستک نے ہی آخر کو ماحول میں چھائی خاموشی کو توڑا۔ دروازہ کھول مصطفیٰ صاحب اندر داخل ہوئے تو سعدیہ فوراً مڑی۔ اُس کا چہرہ اب کے چادر کی

اوٹ میں پوشیدہ تھا۔

"بیٹا، آپ جائیں۔ مجھے اپنی بیٹی سے بات کرنا ہے۔"

وہ سر ہلاتی کمرے سے نکل گئی۔ مصطفیٰ صاحب چلتے ہوئے حیام کے پاس آ کر بیٹھے، وہ اب بھی جوں کی توں لیٹی رہی۔ مصطفیٰ صاحب یوں ڈوپٹے کی جھڑی سے اُسے نہ دیکھ سکتے تھے، ہاں البتہ حیام۔۔ وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اُنہیں تک رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی مجھے سُن رہی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم گریہ سمجھتی ہو میرا تمہیں یہاں لے آنا ایک غلطی ہے، تو جلد اپنے بابا کے اس فیصلے میں چھپی مصلحت کو جان جاؤ گی۔ اور ایک دن آ کر کہو گی، بابا آپ کا کیا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔ میں جانتا ہوں۔۔" خاموشی۔۔۔۔۔۔۔

"یہاں کی زندگی ہمارے شہر کی زندگی سے بہت مختلف ہے، بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے مجھے میری حیام ہر طرح کے حالات کا سامنا کر سکتی ہے، بہت بہادر ہے۔ خالہ اماں دیکھنے میں جتنی سخت معلوم ہوتی ہیں، اُن کے اندر جھانکو تو بہت نرم دل ہیں۔ دیکھنا ایک دن اس حویلی میں بسنے والوں میں پہلے نمبر پر وہ ہوں گی جو تمہاری سب سے بڑھ کر طرفدار ہوں گی۔"

مزید آنسو حیام کی آنکھوں سے بہے لیکن اُسے فکر نہ تھی۔ اُس کی نگاہیں تو بس اپنے بابا

www.neweramagazine.com

کی روتی آنکھوں سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔وہ چاہتی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر وہ تمام آنسو پونچھ ڈالے لیکن وہ نہ کر سکی۔اُس کے بابا اپنی بیٹی کی آنکھوں میں نمی دیکھ لیتے تو کیسے جا پاتے؟

"چلتا ہوں میں، اپنا بہت دھیان رکھنا۔میں اپنی بیٹی سے رابطے میں رہوں گا۔ہاں، بس ایسا نہ ہو کہ میری بیٹی اس حویلی میں کھو جائے اور اپنے باپ کو بھول جائے۔"

حیام کے آنسوؤں میں روانی آئی۔وہ کیسے بھول سکتی تھی اپنے بابا کو، وہ ہی تو اُسے سب سے بڑھ کر عزیز تھے۔وہ جا رہے تھے۔کاش کہ وہ رُک جاتے یا کاش وہ اُنہیں روک سکتی۔لیکن دونوں اپنے اپنے حالات سے مجبور تھے۔مصطفیٰ صاحب دروازے پر پہنچ کر رُکے، چہرہ موڑ کر اپنی بیٹی کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھنے کی خواہش جو تھی، وہ ادھوری رہ گئی تھی۔وہ آنکھیں خشک کرتے چلے گئے۔اُن کے جاتے ہی سعدیہ اندر داخل ہوئی۔حیام کو کسی کی پرواہ نہ تھی، اُس کا ضبط بس یہیں تک تھا۔ڈوپٹہ خود پر سے ہٹاتی وہ اُٹھ بیٹھی۔اُس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"سیدہ بی بی۔۔۔۔"

حیام ہچکیوں سمیت رو دی۔

"سیدہ بی بی!!کیا ہوا ہے؟میں کسی کو بُلا کر لاتی ہوں۔"

"رہنے دو، کسی کو مت بُلانا۔ یہاں اب میرا کوئی نہیں ہے۔"

وہ حیام، وہ تو یوں اتنی کمزور نہ تھی۔ وہ تو کبھی کسی کے سامنے نہ رونے کا دعویٰ کر کے آئی تھی لیکن آج بکھر گئی تھی۔ وہ سب سے جدائی برداشت کر سکتی تھی لیکن اپنے باپ سے نہیں۔

منال ادھ کھلا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی۔ یوں حیام کو روتا دیکھ اُس کے قدم تھم گئے۔ حیام نے نہ دیکھا تھا کہ کون آیا ہے۔ منال پہلی مرتبہ یوں خود چل کر اُس تک آئی تھی۔ وہ جو سمجھی تھی کہ حیام کتنی سخت دل معلوم ہوتی ہے، جو دیکھنے میں پتھر تھی وہ اصل میں تو بالکل اُس جیسی ہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"حیام۔۔۔۔۔۔"

منال کی آواز سُن حیام چونکی۔ چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ یوں پہلی مرتبہ منال اُس سے ہمکلام تھی۔ حیام نہیں چاہتی تھی کہ اس حویلی کے کسی فرد پر بھی اُس کی کمزوری عیاں ہو۔ جلدی سے اُٹھ کر آنسو پونچھے اور بولی۔

"تم۔۔۔؟"

اب منال بھی کہاں چاہتی تھی کہ وہ جتائے، بتائے کہ تم حیام۔۔۔ تم تو بہت کمزور ہو۔ کس حق سے جتاتی؟ کوئی حق نہ تھا اور اگر حق مل جاتا اور پھر اُس حق کی بناء پر اگر جو

منال یہ جتا جاتی تو اُس کے مطابق تھوں ہوتا ایسے ہزاروں حقو قوں پر۔

"تمہیں جانا ہے یہاں سے، اپنا ضروری سامان سمیٹو۔۔۔"

اب کے منال کے ہر عمل میں جلد بازی تھی۔ وہ ادھر اُدھر سے حیام کی چیزیں یکجا کرنے لگی جبکہ حیام، وہ تو بُت بنے کھڑی تمام صورتحال جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کہاں؟ کہاں جانا ہے مجھے؟"

آنسو تھم چکے تھے۔ ہاں، البتہ اُن کے نشانات اپنی چھاپ چھوڑ گئے تھے۔

"اس حویلی سے۔۔۔ جلدی کرو، اس سے پہلے کہ چچا جان چلے جائیں۔ تمہیں اُن کے ساتھ واپس جانا ہے۔"

حیام کا ڈوپٹہ اُٹھائے اُس نے حیام کی جانب دینا چاہا لیکن نظریں ایک طرف رکھے موبائل فون سے چپک گئیں۔

"کیوں جاؤں میں؟ میں یہیں رہوں گی اب۔۔۔"

حیام کی بات پر منال کی توجہ ایک مرتبہ پھر اُس کی طرف لوٹی۔

حیام!! خدارا یہاں سے چلی جاؤ۔ یہ حویلی بہت ظالم ہے۔ تمہارا دم گھٹ جائے گا"

"یہاں۔

لیکن حیام کچھ نہ بولی۔ایک آخری وار،ایک آخری سچ حیام کو بتانا لازم ہو گیا تھا۔

"اس حویلی کے دروازے تمہاری واپسی کے لیے کبھی نہیں کھلے گے۔"

منال کا کہنا تھا کہ حیام نے جھٹ سے اُس کی جانب دیکھا۔وہ اُس کی بات سمجھ گئی تھی لیکن شاید دل نا سمجھ بننے کا ڈھونگ رچا رہا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

ایک کمزور مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اس حویلی کے دروازے کبھی کسی عورت کے لیے نہیں کُھلے ہیں اور نہ کھلیں گے۔ یہاں صرف عورتیں آیا کرتی ہیں اور واپسی کا در ہمیشہ کے لیے بند کر آتی ہیں۔تم نے دیکھا نہیں وہ دروازہ۔۔۔۔وہ جو حویلی کا دروازہ ہے،وہ صدیوں سے بند کسی اپنے کے گزر سے محروم ہے۔اُس پر پڑا تالا جانے کتنے سالوں کی دھول خود میں سمیٹے جامد پڑا ہے۔نہ کبھی اُسے کھولا گیا اور نہ کبھی کُھلے گا۔"

حیام کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔جو آنسو تھم چکے تھے،ایک مرتبہ پھر قطرہ قطرہ بہنے لگے۔

"میرے بابا۔۔۔بابا نے وعدہ کیا تھا۔۔۔۔وہ مجھے۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔مجھے لے جائیں گے تم دیکھنا۔۔"

شاید اب اُسے خود بھی اپنے کہے الفاظوں میں سچائی کا کوئی عنصر موجود نہ ملا۔ سعدیہ ایک جانب سر جھکائے کھڑی تمام باتیں سُن رہی تھی۔

"حیام!! چلو دیر ہو جائے گی ورنہ۔۔۔۔"

حیام نے ڈوپٹہ پھیلا کر باہر کو بھاگنا شروع کیا۔ منال اور سعدیہ اُس کے پیچھے پیچھے ہی تھیں۔ منال نے دل میں شدت سے دعا مانگی کہ

(کاش وقت تھم جائے، اُنہیں دیر نہ ہو)

ابھی وہ لوگ سیڑھیاں مکمل عبور بھی نہ کر پائیں تھیں کہ باہر سے گاڑی کے چلنے کی آواز سُنائی دی۔ ایک لمحہ لگا تھا، ایک لمحے کی ردوبدل اور حیام کے قدم تھم گئے۔ اُس کے قدموں کے ساتھ اُس کے بہتے آنسوؤں کا دریا بھی سکوت اختیار کر گیا۔

اُس کے بابا، اُس کا بھائی دونوں جا چکے تھے۔ حیام سکون سے دو لمحے بسر کرنا چاہتی تھی۔ دل میں آیا کہ دو لمحوں کو ہی سہی سب بھول کر وہیں سیڑھیوں میں تھم کر بیٹھ جائے لیکن دل بھی کبھی اپنے کہے پر قائم رہا ہے؟ پل بھر میں فیصلہ بدل ڈالا۔

بغاوت کے قیدی نے سر اُٹھایا اور دل کے کسی کونے میں سجی عدالت میں بیٹھے حکمران نے آزادی کا پروانہ سُنا دیا۔ بغاوت کی بُو رفتہ رفتہ پھیلنے لگی، ایک پُراسرار مسکراہٹ نے قیدی کے لبوں پر بسیرا کیا۔ حکم سُنتے ہی آزادی کی ڈور ڈھیلی چھوڑ دی گئی اور باغی نے

اپنے پر پھیلائے۔اُن پروں کے سائے میں حیام کا پورا وجود جُھلسنے لگا۔

حیام یکدم دیوانہ وار راہداری میں بھاگتی حویلی کے داخلی دروازے کی جانب چلی آئی۔ وہاں پہنچ زور زور سے دروازے کو کھولنے کی تگ ودو کرنے لگی۔ منال جانتی تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔اپنی چادر کو مزید خود کے گرد لپیٹا، چہرے کو ڈھانپ مضبوطی سے ایک چادر کا کنارہ جکڑ لیا۔

وہ اس حویلی کو برسوں سے جانتی تھی۔ حیام چلا رہی تھی۔

"کھولو اس دروازے کو۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آہستہ آہستہ وہاں حویلی میں موجود ملازماؤں نے اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ حویلی کی عورتیں وہاں آ پہنچیں۔ خالدہ بیگم نے آگے بڑھ کر حیام کو روکنا چاہا لیکن وہ دیوانی ہو گئی تھی، کسی کے بس میں آنے ہی نہ پا رہی تھی۔ جُوڑے میں بندھے سیاہ بال کھل کر کمر پر بکھر گئے۔

اماں بیگم کی ایک گرجدار آواز نے حیام کے پورے وجود میں سنسناہٹ پھیلا دی، جو نجانے کب برآمدے سے نکل وہاں آ گئیں تھیں۔

"بند کرو یہ شور۔۔۔۔"

حیام اب بھی پیٹھ کیے وہیں کھڑی رہی۔

"کیا کرنا چاہ رہی ہو بی بی۔۔۔؟"

حیام نے مڑ کر اماں بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔بغاوت جو ایک لمحے کے لیے ڈر گئی تھی شاید،ایک مرتبہ پھر پروان چڑھی۔

"یہ دروازہ کھلوائیں۔"

حکم سُنایا گیا۔

"نہیں کُھلے گا۔"

سامنے بھی کوئی عام انسان موجود نہ تھا۔وہ اماں بیگم تھیں،نجانے کتنے سالوں سے اُس حویلی میں حکومت کرتی آئیں تھیں۔

"اب کُھلے گا کیونکہ اب اس کے مقابل اس حویلی میں بسنے والی کوئی کمزور عورت نہیں ہے بلکہ میں ہوں،حیام بخاری۔۔۔"

آنکھوں میں کچھ کر گزرنے کی دھمکی صاف واضح تھی۔

"تو کھول کر دکھاؤ بی بی!میں بھی یہیں ہوں اور تم بھی۔"

آنکھ کے ایک اشارے سے تمام ملازماؤں کو منظر سے ہٹ جانے کا حکم سُنایا۔شاہ میر پردے کی اوٹ سے نکل راہداری میں آیا۔شاید وہ یہاں ہونے والی تمام روداد سُن چکا

تھا۔

"اماں۔۔۔"

اُس نے کچھ کہنا چاہا۔

"رُک جا میرے لال! میں اچھے سے جانوں ہوں کہ کس کو کب اور کہاں، کون سی لگام ڈالنی ہے۔"

"میں کہتی ہوں یہ دروازہ کھلوائیں ابھی اور اسی وقت۔۔۔"

"بی بی!! کتنی مرتبہ تجھے بتاؤں کہ کھلوا سکتی تو کھلوا۔ میں بھی دیکھوں کتنی ہمت ہے تجھ میں؟"

حیام بے بس ہو رہی تھی۔ وہ شاید جان گئی تھی کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ مضبوط قدم اُٹھاتی وہ اماں بیگم کے بالکل سامنے کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گویا ہوئی۔

"دیکھ لیجیے گا، یہ دروازہ اب کھل کر رہے گا۔ آپ مجھے کوئی عام لڑکی مت سمجھیے گا جو طوفان کی ایک زد میں ڈھے جاؤں گی۔ اب چاہے تو آنے والے ہزاروں طوفانوں کی شدت پہلے سے ہزار گنا بڑھ کر ہو، میں حیام بخاری آپ کو اپنی زبان دیتی ہوں۔۔۔ یہ دروازہ کھل کر رہے گا۔"

ابھی حیام اُنہیں کہہ دو قدم ہی چل واپسی کے لیے نکلی تھی کہ اماں بیگم کی آواز ایک مرتبہ پھر گونجی۔

"بشیرا۔۔۔۔"

ایک مرتبہ بلانے پر ہی وہ بوتل سے نکلے جن کی طرح نمودار ہوئی، شاید کہ وہ جانتی تھیں کہ اُن کی آمد متوقع ہے۔

"جااس کے کمرے میں اور ہر وہ شے جس سے یہ اپنے باپ یا شہر میں رابطہ کر سکے، اُٹھا کر لے آ۔"

جواباً وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن منال نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیے مضبوطی سے دبایا۔ شاید وہ چُپ رہنے کا کوئی اشارہ تھا یا پھر کوئی پیغام، وہ سمجھ نہ سکی۔ سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا جو چُپ کر اُس کا ہاتھ جوں کا توں تھامے اُسے وہاں سے لیے چل دی۔

راہداری سے گزرتے ہوئے نجانے کب سعدیہ کسی کونے سے نکل اُن دونوں کے پیچھے سائے کی مانند چلنے لگی۔ خدا جانے اس حویلی کے ملازم یوں کیسے یک دم منظر پر نمودار ہو جاتے تھے، جیسے کہ کوئی الحامی قوت ہو اُن کے پاس۔ وہ ڈر رہی تھی لیکن منال کی موجودگی اُس کے تمام ڈروں کو زائل کرتی جا رہی تھی، جانے کیوں؟

بشیر ابی حیام کے کمرے میں موجود سامان چھانٹ رہیں تھیں۔ اُنہیں وہاں کچھ نہ ملا، آخر کو چھانٹ کر تھک گئیں تو چل دیں۔ جتنی دیر تک وہ کمرے میں موجود رہیں، حیام، منال اور سعدیہ تینوں ایک طرف کھڑی رہیں۔ اُن کے جاتے ہی منال نے چادر میں سے اپنا ہاتھ باہر نکال حیام کا موبائل اُس کے سامنے کیا۔

"یہ تمہارے پاس؟"

حیام کے لہجے میں حیرانی مقید تھی۔

میں جانتی تھی وہ ایسا ہی کریں گی۔ تمہاری اجازت کے بغیر اُٹھانا پڑا، معافی چاہتی"

"ہوں۔

موبائل کو پکڑ حیام کو یکدم سعدیہ کی موجودگی کا خیال آیا اور اچانک اُسے دیکھنے لگی۔

"تم۔۔۔۔"

"بے فکر رہیں سیدہ بی بی! یہ راز اس کمرے کی دیواروں سے باہر نہیں جائے گا۔"

جانے اس حویلی میں آئی نئی سیدہ بی بی میں کیا تھا، جو وہ حویلی کے خلاف تمام بغض بھول بیٹھی تھی؟ جانے اُس میں ایسا کیا تھا جو تمام لوگ اُس کی جانب کھینچے چلے آتے تھے؟

"تم آرام کر لو، میں کچھ دیر تک آتی ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔"

منال کہتی ہوئی چلی گئی جبکہ حیام محض اُس کی بات پر سر ہلاتی رہ گئی۔

اماں بیگم تمام تماشے کے بعد واپس اپنی مخصوص نشست پر موجود تھیں۔ شاہ میر پچھلے آدھے گھنٹے سے وہاں بیٹھا زمین کو گھورنے میں مصروف تھا۔

"اب بولتا کیوں نہیں ہے تو؟"

اماں بیگم نے ایک مرتبہ پھر وہی سوال دہرایا جس کا جواب وہ کب سے سُننا چاہ رہی تھیں۔ لیکن وہ تھا کہ کچھ بولتا ہی نہ تھا۔

"آپ جان کر کیا کریں گی؟"

"تجھ سے مطلب؟ تو بس بتا دے مجھے کہ وہ سچ بتا کر گیا ہے کہ نہیں؟"

"سچ بتایا ہے بازل نے آپ کو۔ خدارا اب بھول جائیں اماں کہ کچھ سُنا ہے آپ نے۔ وہ بہت اچھی ہے اور آج جو کچھ ہوا ہے نا؟ اگر اُس کو معلوم ہو گیا تو وہ آپ سے تمام تعلق ختم کر لے گا۔"

اماں بیگم کی آنکھوں میں درد نے اپنی جھلک دکھائی۔

"اُس کے لیے مجھ بوڑھی کو چھوڑ دے گا؟"

"میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ابھی کوئی ناراضگی نہیں ہے تو آتا نہیں ہے، مہینوں مہینوں بات نہیں کرتا وہ آپ سے۔وہ تو خود حیام سے اونچی آواز میں بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ جب آپ اپنی محبت کو خیر آباد کہہ رہا تھا تو آواز تک نہ نکلی تھی۔سر جھکائے مجرموں کی طرح اُس کے سامنے کھڑا رہا اور اگر وہ جان لے کہ آپ نے پوری حویلی کے سامنے اُس پر آواز سخت کی ہے، تو نکال کر لے جائے گا اُسے اور پھر آپ بھول جائیں کبھی مڑ کر دیکھے گا آپ کو۔"

"وہ آج کا نیا جوان خون ہے، جو کر سکتا ہے کر گزرے۔اس حویلی کے اصول میں کسی کے لیے نہیں بدلوں گی۔"

وہ کٹھور ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے پھر، اس کے بعد آنے والی ہر صورتحال کے لیے خود کو تیار رکھیے گا۔۔۔بشیر ابی! حیام کا کمرہ تبدیل کروا دیں۔ایسا کریں کہ آرز کا کمرہ اُسے دے دیں۔"

"جی، چھوٹے شاہ۔۔"

وہ اپنی کہہ کر چلا گیا۔ پیچھے اماں بیگم نے اپنے پوروں سے آنکھوں میں موجود نمی کو

صاف کیا۔

"اماں بیگم!! میرے لیے کیا حکم ہے؟ چھوٹے شاہ جو کہہ کر گئے ہیں۔۔۔"

اماں بیگم نے بشیر ابی کی بات درمیان میں کاٹ پوری کی۔

"دے دے میرے شہزادے کا کمرہ اُس کو۔ میرے بچے وِگڑ گئے نے۔ دیکھتی نہیں تو، یہ دو دن شہر سے ہو کر آیا ہے تاں آنکھیں ماتھے پر سجا گھوم رہا اے۔ وہ تو رہتا ہی شہر چے آ، اب کوئی آس، کوئی اُمید باقی نہ رہے ہے۔"

بشیر ابی کچھ دیر اُنہیں تکتی رہیں پھر اُن کے حکم کی تکمیل کے لیے وہاں سے چلی گئیں۔

نائلہ بیگم مغرب کی نماز ادا کر بیڈ پر آ بیٹھیں۔ ہاتھ میں تسبیح کے دانے مسلسل گردش میں تھے۔ آنکھیں موندے وہ نجانے کس رُو میں تھیں کہ اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔ آرز کب سے اُنہیں تکے جا رہا تھا، آخر کو تنگ آکر خود ہی اُن کی گود میں سر رکھ لیٹ گیا۔ اُس کے یوں کرتے ہی نائلہ بیگم نے آنکھیں وا کیں۔ آرز کو دیکھ مسکراہٹ در آئی۔ تسبیح مکمل کر کچھ پڑھ کر آرز پر پھونکا۔

"آج اپنی چچی کی یاد کیسے آ گئی تمہیں میرے شیر؟"

"آپ کو بھول سکتا ہوں کیا؟ کیسی باتیں کرتی ہیں؟"

آرز کے چہرے پر تھکاوٹ عیاں تھی، نجانے وہ دن بھر کام کی بدولت تھی یا جس زندگی کے راستے پر وہ چل نکلا تھا اُس کی بدولت تھی۔

"تم جسے ڈھونڈنے یہاں آئے ہو، وہ یہاں موجود نہیں۔"

"کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟"

وہ جانتا تھا لیکن شاید اُس کا نام سُننا چاہتا تھا۔

"وہی جس کی خوشبو کے سوا اب اس گھر میں کچھ رہا ہی نہیں۔"

آرز نے آنکھیں بند کر لیں۔ نائلہ بیگم اُس کے بالوں میں اُنگلیاں چلا رہی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم وہ ایک غلطی پھر کبھی نہ دہراؤ۔ وہ تو پاگل ہے، کہتی ہے کہ تمام خواہشات کو جلا کر بکسے میں بند تالا ڈال دیا ہے۔ ارے اُسے کوئی بتاؤ کہ کیا کبھی خواہشات بھی مرتی ہیں؟ یہ جو خواہشات ہوتی ہیں، یہ اپنی آہوں اور سسکیوں کا ماتم سجا کر ڈھونگ رچاتی ہیں کہ جام لگا تالا ٹوٹے۔ اور ایک مرتبہ گر وہ بکسا کھل جائے نا تو کبھی بند نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ کی قید، خواہشات کو منہ زور بنا دیتی ہے۔ اب کی بار طوفان کی زد میں سب سے پہلے وہ خود آئے گی۔ اُسے بربادیوں کی عادت ہو چکی ہے، لیکن تم۔۔۔" ایک گہری خاموشی۔۔۔ "تم بھی تو برباد ہونے کے عادی ہو۔"

آرز کے بالوں میں اُن کی چلتی اُنگلیاں تھم گئیں۔آرز نے اُن کے ہاتھ تھام چومے اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے۔۔۔۔۔مجھے ایک۔۔۔۔۔اجازت چاہیے چچی جان۔"

وہ ہچکچا رہا تھا۔

"تم یوں ڈر رہے ہو تو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

کھوکھلی ہنسی ہنسی گئی۔آرز اُنہیں دیکھتا رہ گیا۔

"چلتا ہوں، آپ آرام کریں۔"

اُن کا ہاتھ تھپتھپاتا وہ اُٹھ کر دروازے تک ہی گیا تھا جب نائلہ بیگم بول پڑیں۔

"تم اُس کے کمرے میں جا سکتے ہو۔"

اُن کی اس بات پر آرز نے چہرہ موڑ کر اُنہیں دیکھا۔ایک کرب زدہ مسکراہٹ اُن کی جانب اُچھالتا وہ چلا گیا۔باہر گھر کے بیرونی دروازے پر گاڑی کے ہارن کی آواز سُنائی دی۔شہر کے پرندے واپس اپنے گھونسلے تک آ پہنچے تھے۔ہاں، لیکن اپنی آغوش میں جو ننھا سا بچہ چُھپا کر لیے پھرتے تھے کسی اور کو سونپ آئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عشاء کی نماز ادا کر اُس نے ابھی جائے نماز پر بیٹھے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے ہی تھے جب بازل اور مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئے۔اُس نے ہاتھ آسمان کی جانب یوں اُٹھا رکھے تھے جیسے کہ اللہ کے بہت قریب ہو کر اپنی باتیں منوانا چاہتا ہو۔لیکن اُس کی زبان کوئی حرف ادا کرنے سے قاصر تھی۔دعا کے لیے ایک لفظ،ایک جملہ تک ادا نہ ہوا۔وہ کیا مانگتا اپنے خدا سے؟وہ کیا مانگنے بیٹھا تھا،بھول چکا تھا۔اُس کے چہرے پر بے یقینی اور تکلیف کے اثرات نمودار ہوئے۔بازل بہت احتیاط سے اُس کے ہر عمل کو جانچ رہا تھا۔آخر کو آرز نے دعا کے لیے اُٹھائے ہاتھ بناء کچھ مانگے،بناء کچھ کہے واپس اپنی جھولی میں گرا دیئے۔چہرہ موڑ کر بازل اور مشعل کو دیکھا۔وہ دونوں اُسے ہی تک رہے تھے۔وہ چہرہ جھکائے وہیں اُسی جائے نماز پر بیٹھا رہا۔

"اتنی مایوسی؟"

سوال بازل نے کیا تھا۔

"تم سے کس نے ایسا کہا؟"

"تمہیں دیکھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ تم کس قدر خدا سے مایوس ہو رہے ہو؟"

"نہیں،میں مایوس تو نہیں ہوں،بس۔۔۔۔۔"

لیکن اب اُس کے الفاظ بھی اُس کا ساتھ نہ دے رہے تھے۔

"بس؟؟"

اب کے مشعل نے بھی مزید جاننا چاہا۔

"بس اب میرے دل میں کوئی خواہش ایسی ہے ہی نہیں جسے پانے کی جستجو کروں۔"

"آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ کو بہت سی دوسری چیزوں کی ضرورت ہے۔ہے نا، بازل بھائی؟"

"ہاں،اسے تو بہت ضرورت ہے، حد سے بھی زیادہ۔"

آرز یک ٹک اُن دونوں کو دیکھے جا رہا تھا جو اُس کی طرح مشکل باتیں کرنا سیکھ گئے تھے۔ہاں، لیکن آرز کو اُن باتوں کے مفہوم سمجھ میں نہ آ رہے تھے۔شاید کہ اُن کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہو۔

"کن چیزوں کی؟"

"صبر،توکل اور۔۔۔۔"

آرز نے بازل کو درمیان میں ٹوکا۔

"مجھے ان کی کیا ضرورت؟"

"ابھی بہت سی جنگیں مزید لڑنا ہیں تجھے۔ایک محاذ تو سمجھ کبھی بھی تیرے خلاف تیار

کر اپنی فوجیں لیے تجھ تک پہنچ جائے گا۔"

"تو امی ابو کی بات کر رہا ہے نا؟" وہ ہنسا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، بھائی۔۔"

مشعل ایک مرتبہ پھر بولی۔ آواز رُندھی ہوئی تھی۔ آرزنے اُس کا ہاتھ تھام اُسے اپنے پاس جائے نماز پر ہی بٹھا لیا۔

"نماز پڑھ لی ہے؟"

جس کے جواب میں مشعل نے نہ میں سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ یہی جواب دے گی۔ اُس نے اُس گھر میں سب کو نماز پڑھتے دیکھا تھا لیکن مشعل اور حیام، اُنہیں تو بس موسمی مسلمانوں کی صف میں کھڑے پایا۔ کبھی جو رمضان آجاتے تو نمازوں پر نمازیں ادا کی جاتیں لیکن رمضان جو رخصت ہوتا، ساتھ ہی اُن کی نمازیں بھی خداحافظ کہہ جاتیں۔

"تو کیوں نہیں پڑھی؟ نماز پڑھو گی تو تمام ڈر، وسوسے آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گے۔ ایک سکون سا روح میں گھل جائے گا۔ پھر یہ صبر اور توکل مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ خدا ہے نا، وہ خود ہی اپنے بندوں کو خود سے جوڑے رکھتا ہے۔"

"ہمم!! میں پڑھ کر آتی ہوں۔"

دروازے تک پہنچ کر وہ رُکی اور مڑ کر اپنے بھائیوں کو دیکھا۔

"آج سے وعدہ کوئی نماز قضاء نہیں ہو گی میری۔اور ہاں، آپ کو پورا یقین ہے نا اللہ پاک پر کہ وہ خود ہی آپ کو صبر، توکل اور سکون سب دے دے گا؟ وہ بیشک دے دیں گے لیکن میں اللہ پاک سے آپ کے لیے مانگوں گی۔آپ کو ان تمام چیزوں کے سوا اپنے ارد گرد کچھ مٹی کے بنے انسانوں کی بھی ضرورت ہے۔"

وہ کہتی ہوئی چلی گئی اور اُس کی آخری بات پر جہاں آرزاور بازل اُس کی باتوں پر مسکرا رہے تھے، وہ مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

"میں چلتا ہوں، کل پریشے سے ملنے جاؤں گا۔اُس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔وہ کر لوں گا تو بابا کو بتا دوں گا سب کچھ۔"

جواب میں آرز نے محض اُسے دیکھا۔

حیام اپنے بابا کے کمرے میں موجود تھی۔اُس کا تمام سامان آرز کے کمرے میں رکھوا دیا گیا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی، اگر جان لیتی تو حویلی میں ایک اور تماشا لگنے میں دیر نہ لگتی اور اماں بیگم۔۔۔اُنہوں نے کتنا سخت دل کر کے وہ کمرہ اُس کو دیا تھا، صرف وہ جانتیں تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"چلیں، سیدہ بی بی! یہ کمرہ بند کرنا ہے۔"

بشیر ابی نے اُسے اطلاع دی۔

"نہیں، یہ کمرہ بند مت کیجئے گا۔ یہ میرے بابا کا کمرہ ہے، میں آتی رہوں گی۔ وہ نہ سہی اُن کا کمرہ، اُن کی خوشبو ہی سہی۔"

"جو حکم آپ کا۔"

وہ سر جھکائے ہوئے تھیں۔

حیام کمرے سے نکل باہر آئی تو سعدیہ وہی موجود تھی۔

"آئیں، آپ کو لے چلتی ہوں۔"

"ہمم!! تم کب سے ہو یہاں؟ میرا مطلب کب سے کام کرتی ہو؟"

"آج ہی آئی ہوں، میری بے بے تو عرصہ ہو چکا نجانے کتنے سالوں سے یہیں سر جھکائے ملازمت کر رہی ہیں۔ اماں بیگم کی خاص ہیں وہ۔"

"ہاں، جانتی ہوں۔ تم یہاں اس جہنم میں کیونکر آ گئی ہو؟"

اگر تو وہ کچھ دیر پہلے ہونے والا تماشا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ چکی ہوتی تو ضرور حیرانی کا مظاہرہ کرتی کہ (واہ!! کیا حویلی میں بھی حویلی کے مخالف رہا کرتے ہیں؟ وہ اکیلی نہ

تھی؟)

"معلوم نہیں۔۔۔۔شاید میری قسمت میں آپ سے ملنا لکھا تھا۔"

وہ مسکرا کر جواب دے رہی تھی۔ سراب بھی جھکا ہوا تھا۔حیام کو بعض اوقات حیرت ہوتی تھی کہ یہ حویلی کے ملازم کیسے سر جھکائے کسی کی غلامی خوشی خوشی سر انجام دینے پر تیار تھے۔اُسے کہاں معلوم تھا کہ سب کی کوئی نہ کوئی مجبوری ہی رہا کرتی ہے،ورنہ کون خوشی سے غلام بننا پسند کرتا ہے۔

"یہ رہا کمرہ۔۔۔"

ایک طرف کا دروازہ کھول وہ اُسے لیے اندر داخل ہو گئی۔اندر کا منظر انتہائی خوبصورت تھا۔جا بجا پُرانے طرز کا فرنیچر جو اُسے پہلی نظر ہی بھلا معلوم ہوا۔بیڈ کے چاروں کونوں سے لکڑی کے نوشہ جات خوبصورتی سے ڈھال اوپر کو جاتے چھت نما ساخت بناتے تھے جس کے سہارے کالے پردوں کو بیڈ کے چاروں جانب ڈال چھپایا گیا تھا، ہاں لیکن چھت کا حصہ کسی قسم کے جز سے پاک تھا۔اوپر سے کمرے کی چھت دکھتی تھی۔حیام لے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"یہ کتنا خوبصورت ہے۔۔۔"

"یہاں تمہارے مطلب کی اور بہت چیزیں ہیں۔ایک ہی چیز کو تکتی رہو گی تو ٹھہر جاؤ

گی اور ٹھہراؤ اچھے نہیں ہوا کرتے۔"

اپنی پُشت پر سے منال کی آواز سُن وہ مڑی اور اُسے دیکھ مسکرائے بناء نہ رہ سکی۔

"آجاؤ، وہاں کیوں کھڑی ہو؟"

وہ بھی مسکرا کر اندر کو آگئی۔ اگر اُن دونوں کو ایک ساتھ مسکراتے ہوئے کرن دیکھ لیتی تو یقیناً بے ہوش ہو جاتی۔ حیام نے آگے بڑھ کر اُس کی جانب اپنا ہاتھ دوستی کے لیے بڑھایا۔ ہاں، یہ پہلی مرتبہ تھا کہ حیام بخاری خود کسی سے دوستی کرنا چاہتی تھی اور یہ عام بات تو نہ تھی۔ مناہل، ہاں مناہل اُس کی بات الگ تھی۔ وہ اُس کے لیے بچوں سی تھی۔ منال نے مسکرا کر اُس کا بڑھایا ہاتھ تھام لیا۔

"اس حویلی میں خوش آمدید۔۔۔ میں منال ہوں!"

حیام کھل کر ہنسی۔

"اور میں حیام۔۔۔"

جبکہ پاس کھڑی سعدیہ نے اب کے بیچ میں حیرت سے اُنہیں دیکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک وہ ایک دوسرے کے نام لے ایک دوسرے سے مخاطب ہوا کرتی تھیں، پھر یہ کیا تھا؟ اس حویلی کے لوگ بہت عجیب تھے، بہت زیادہ عجیب۔

"میں نے اس کمرے کا فرنیچر بدلوا دیا ہے۔ مجھے لگا یہ تمہیں زیادہ اچھا لگے گا۔"

"بہت پیارا ہے یہ لیکن دیکھ لینا تمہاری اماں بیگم کو بُرا نہ لگ جائے۔"

اُن کے ذکر پر دونوں کے حلق میں کڑواہٹ گھلی۔

"وہ میری اماں بیگم نہیں ہیں۔"

حیام نے تعجب سے اُسے دیکھا۔

"پھر کبھی بتاؤں گی، فلحال کے لیے یہ ادھر آکر دیکھو۔"

وہ اُس کا ہاتھ تھام اُسے کمرے میں ایک طرف رکھی ڈریسنگ ٹیبل تک لے آئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیا دیکھو؟ اس میں ایسا کیا ہے؟"

"یہ تمہیں خود دیکھنا پڑے گا۔ ہاں، شاید تمہیں جلد اس کی ضرورت پڑ جائے۔ پھر مجھے داد دیئے بناء نہیں رہ سکو گی۔"

"چلو پھر دیکھتی ہوں۔"

"نہیں، ابھی نہیں۔ ابھی تو تمہیں صرف یہاں تک لے آئی ہوں تاکہ تمہیں یہ حفظ ہو جائے۔ میں نہ بھی ہوں تو مجھے آواز دے پکارنا نہ پڑے۔"

"تم کہاں جارہی ہو؟"

حیام کے چہرے پر پریشانی عیاں ہوئی۔

"کہیں نہیں، ابھی تک تو یہیں ہوں لیکن مستقبل قریب میں ہو سکتا ہے کہ یہ حویلی مجھے کسی گمنام تاریکی میں پھینک دے۔ خیر یہ دیکھو، بالکونی۔۔۔۔شاہ میر بھائی نے خاص کر تمہیں یہ کمرہ دینے کو کہا ہے یہاں کی اماں بیگم سے۔ مجھے تو حیرت کی مار کھاتے مزید حیرانی ہو رہی ہے۔"

وہ اپنی کہی بات پر خود ہی ہنس دی۔

"کیوں؟"

"شاہ میر بھائی اور کبھی اپنی اماں کے کہے سے انکاری ہو جائیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمہاری خاطر اماں کا سب سے قیمتی کمرہ تمہیں دے دیا ہے تو سوچو تمہاری خاطر کیا کر جائیں گے؟؟"

"ایسا اس کمرے میں کیا ہے؟"

حیام کو اشتیاق پیدا ہوا۔

"آرز بھائی کا کمرہ ہے یہ۔"

جوں ہی منال نے اُسے حقیقت بتائی اُس کا دل ڈوب کر اُبھرا۔ آخر اس حویلی کے لوگ کیوں اُس پر زندگی تنگ کرنے کے قائل تھے۔ کیوں چاہتے تھے کہ وہ سانس نہ لے سکے، آخر کیوں؟؟؟

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

حیام تیزی سے باہر نکلنا چاہتی تھی لیکن منال نے اُسے کاندھوں سے پکڑ روک لیا اور اُس کے قریب ہو مدھم آواز میں سرگوشیاں کرنے لگی۔

"میری بات دھیان سے سنو، فلحال کے لیے یہ بھول جاؤ کہ تم کس کے کمرے میں ہو۔۔ یاد رکھو کہ تمہارا مقصد کیا ہے۔ اگر تم اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی ہو تو شاہ میر بخاری تمہارے لیے سب سے آسان ہدف ہے۔ آج اُن کی باتیں، اُن کے ہر عمل سے میں نے یہ جان لیا ہے کہ وہ تمہارے ایک اشارے پر حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اب فیصلہ تمہارا ہے کہ تم نے عقلمندی کا مظاہرہ کرنا ہے یا بے وقوفی کر اپنے مقصد سے دور جانا ہے۔"

"تم میرے متعلق اتنا سب کیسے اور کیونکر جانتی ہو منال؟؟"

"بتا دوں گی، بس اتنا یاد رکھو کہ میرا سب کچھ جان لینا تمہارے حق میں ہر مرتبہ بالکل درست ثابت ہو گا۔" حیام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم فیصلہ کرلو۔"

"میں فیصلہ کرچکی ہوں۔"

"کیا؟" منال کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"اماں بیگم کی حکمرانی پر زوال کے دن حاوی ہونے کا وقت آ چکا ہے۔"

حیام کو دیکھ منال مُسکرائی۔ حیام مسکرا بھی نہ سکی۔ دونوں کی نظروں میں ایک عزم تھا، ایک جنون تھا جو وہاں موجود کسی تیسرے کی آنکھوں میں بھی تھا۔۔۔ سعدیہ، ہاں وہی۔۔۔۔۔

منال جا چکی تھی، وہ تنہا اپنے کمرے میں موجود تھی۔ وہ کمرہ جو کبھی آرز حسن کا ہوا کرتا تھا، اب نہ رہا تھا۔ اُس کی زندگی کے بہت سے فیصلے آرز نے خود کیے تھے اُس کی مرضی کے بغیر، تو اب حیام کو بھی حق تھا جو چاہے کرتی۔ اُس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب سے یہ کمرہ حیام بخاری کی ملکیت ہے۔ لیکن بھول گئی تھی کمروں اور گھروں کے باہر چاہے سے نام کی تختیاں لگالو، وہ گھر، وہ کمرے، وہ عمارتیں کب کسی کی ہوا کرتی ہیں۔

آہ!! سچ تو یہ ہے کہ وہ تو ہو جاتیں ہیں فقط یہ انسان اُن کے نہ ہوتے ہیں۔ کوئی نئی چیز بھلی لگ جائے تو پُرانی شے چھوڑ اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ حیام بھول گئی تھی

کہ ایک کمرہ تو شہر میں بھی ایسا تھا جس پر آن دیکھی ایک تختی اُس کے نام کی لگی تھی، جو کمرہ اُس کے ایک قدم پڑنے کو بے قرار تھا وہ بھول گئی تھی۔ کیا انسان اتنی جلدی اُنسیت کھو دیتے ہیں؟ کیا واقعی؟؟

وہ بالکونی میں کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے، پوری حویلی یقیناً سو چکی تھی۔ دل میں گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ یوں لگنے لگا جیسے سانس لینا اُس کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ اندر آتی وہ بیڈ کے گرد ڈھکے پردے ایک طرف کو کرتی بیڈ پر چِت لیٹ گئی۔

وہاں شہر میں ٹھیک اُسی وقت آرز حسن کے قدم حیام کے کمرے میں پڑے تھے۔ ہائے! وہ قدم جن کی آمد کا حیام کو انتظار رہا کرتا تھا، لیکن وہ کبھی نہ آئے تھے۔ شاید وہ پُرانا کمرہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ حیام کو اُس کے محبوب کی آمد کی خبر دے سکے، لیکن کاش! ایسا بھی ہوا کرتا۔

آرز حسن کمرے میں داخل ہوتے ٹھہر گیا۔ وہاں ہر سُو حیام کی مہک بسی تھی۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے وہ وہی بیڈ سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ وہیں اُسی رُخ بیٹھا تھا جس رُخ حیام چاند کی جانب منہ کیے بیٹھا کرتی تھی۔

دونوں الگ الگ جگہوں پر موجود تھے، ایک دوسرے سے کتنا دور تھے لیکن گھبراہٹ

بڑھ رہی تھی۔ تنگ آ کر آرز نے اپنا موبائل آن کر پروین شاکر کی ایک غزل چلادی جو آہستہ آہستہ ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیے مزید غمزدہ کرنے لگی۔

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف، سرد آہ میں ہے

تیری جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے

آرز کو وہ لمحہ یاد آیا جب جاتے ہوئے حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا۔ اتنی خالی نظریں، اتنا خالی دل۔۔۔۔

تیرے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے

یہ اعتراف بھی شامل مرے گناہ میں ہے

شہر سے میلوں دور حیام بخاری وہ غزل نہ سُن سکتی تھی لیکن اُس کی سوچ کے تمام سرے آرز حسن پر ہی آ بندھتے تھے۔ وہ اُسے ہی سوچ رہی تھی۔

عذاب دے گا تو پھر مجھ کو خواب بھی دے گا

میں مطمئن ہوں مرا دل، تیری پناہ میں ہے

آرز جانتا تھا وہ چاہے تو محبت سے انکاری تھی لیکن وہ اب بھی آرز حسن کو دل میں سجائے ہوئے تھی۔ اُس کا دل چاہے کتنا ہی خالی دِکھنے کا ڈھونگ رچاتا، آرز حسن کی

نظریں اُس کی روح میں اُتر سب جان لیتی تھیں۔

بکھر چکا ہے مگر مسکرا کے ملتا ہے

وہ رکھ رکھاؤ ابھی میرے کج کلاہ میں ہے

وہ دونوں ایسے ہی تو تھے، اُن کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ صرف وہ دونوں جانتے تھے۔۔۔ کوئی تیسرا نہیں۔ چہرے پر مسکراہٹ سجا لینے سے کوئی خوش ہو، ایسا ہوتا تو نہیں۔ وہ دونوں تو ابھی سوگ میں تھے۔

جیسے بہار کے مہمان خالی چھوڑ گئے

وہ اِک مکان ابھی تک مکیں کی چاہ میں ہے

ہاں، یہ کمرہ، یہ کمرہ جہاں آرز حسن موجود تھا، یہاں جس کے ہونے سے بہار اُترتی تھی چاہے تو پھر باہر خزاں کا موسم ہی کیوں نہ ہو، وہ چلی گئی تھی اور اپنے ساتھ ساتھ بہار بھی لیتی چلی گئی۔

یہی وہ دن تھے جب اِک دوسرے کو پایا تھا

ہماری سالگرہ ٹھیک اگلے ماہ میں ہے

حیام۔۔۔ حیام کو دل میں بسائے دنیا کی نظروں سے دیکھو تو کچھ ماہ ہوئے تھے لیکن

آرز حسن کی آنکھوں سے دیکھو تو زمانہ بیت چکا تھا۔ خیر چھوڑو ان محبتوں کی عمر گننا، یہ تو اُن دونوں کے نصیب میں شاید نہ تھی۔ ہماری کا کوئی لفظ اُن کے درمیان نہ تھا، لیکن آرز کی سالگرہ۔۔ ہاں، وہ تھی اگلے ماہ۔ جنوری کب گزر گیا معلوم ہی نہ ہوا تھا۔

میں بچ بھی جاؤں تو تنہائی مار ڈالے گی

مرے قبیلے کا ہر فرد قتل گاہ میں ہے

ہائے وہ حویلی اور اس گھر کے تمام لوگ اُن کے دشمن تھے، سب لوگ اپنی روایتوں میں جکڑے ان دونوں کو مارنے پر تُلے تھے۔ کس قدر بے رحم اور بے دل لوگ تھے، آہ! آرز کی آنکھوں سے آنسوؤں کا پلندہ بہہ نکلا تھا اور اُدھر حیام، وہ سوچکی تھی نجانے کب۔ ہاں لیکن اُس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات اُس کے رونے کی چغلی کھا رہے تھے۔

کاش کہ اس معاشرے میں محبت کرنا گناہ تصور نہ ہوتا، کاش!!!!!!!!!

❤ جاری ہے ❤

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین